Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

جلد 12 • شمارہ 2 • اگست 2022

پاکستان کا مطلب کیا؟

میں پاکستان ہوں

وطن کی مٹی گواہ رہنا

لا الٰہ الا اللہ

کنگلی تہذیب

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS

9140056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

ماہنامہ فہمِ دین کراچی

اگست 2022

فہمِ وفکر

کنگلی تہذیب	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

برصغیر میں دورہ حدیث۔۔۔اہداف ومقاصد	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	10
چند لمحات	محمد عکاشہ	12
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	ام نسیبہ	14
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	16
امراض معدہ (دوم)	حکیم شمیم احمد	17
حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	18

خواتینِ اسلام

تیرے عشق میں ہم نے	حفصہ فیصل	20
شکوہ نہ کر	شائلہ نورین قمر	21
مسیحا کی ناانصافی	عاتکہ سلیم	23
آزادی کی قیمت	مہوش کرن	24
آزادی کا سفر	حمیرا علیم	26
اے وطن	شکیلہ مقبول	27
وطن کی مٹی گواہ رہنا	سمیرا انور	28
آزادی کا مطلب کیا	قرات گلستان	29

باغچہ اطفال

موبائل استاد	مہوش اسد	31
آزادی کا جشن	ام عبد اللہ	32
اپنا گھر	انعم توصیف	33
مینا اور جشن آزادی	سائرہ شاہد	34
گھونگے میاں کا خواب	نشا وقار	35
صفائی نصف ایمان ہے	سویرا فلک	36
زیبرا	فوزیہ خلیل	37
رات گئی بات گئی	ڈاکٹر الماس روحی	38

بزمِ ادب

میں پاکستان ہوں	جوہر عباد	42
ہجرت	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	شیخ ابو بکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام		46

زیر سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظر ثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	فیضان الحق شمسی

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے

سالانہ اندرون ملک

عام ڈاک	750 روپے
رجسٹریشن پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرون ملک	55 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | طابع: واسا پرنٹرز | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

ABU HAASHIR® PERFUMES

Premium Perfumes From Pakistan !

EST. 2017 — 5+ Years
Nationwide Delivery
Money-back Guarantee
Amazing Reviews
Premium Packaging

Make Your Own Signature Perfume At Our Flagship Store

Try Our Perfumes Today !
Get 10% off | Promo Code: TryAbuHaashir
www.abuhaashir.com

0322-3413414
Shop # 2, 30-C, Seher, Lane 9, D.H.A. Phase 7
Seher Commercial Area Phase 7 Karachi

دو تہذیبوں کی کشمکش ہے۔ ایک باطل ہے، مغرب ہے، مگر تازہ دَم ہے اور تابڑ توڑ حملے کر رہی ہے۔ دوسری طرف اسلام کی قوت ہے۔ اہلِ حق ہیں، مسلمانوں کی جماعت ہے، مگر دین کو عملی زندگی میں اپنانے سے بے زار بلکہ شر مسار نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ مغربی تہذیب بغیر دروازے پر دستک دیے ہماری گلی محلوں اور گھروں میں نہ صرف داخل ہو رہی ہے، بلکہ دندناتی پھر رہی ہے۔

دو تہذیبیں ہیں۔ ایک مغربی تہذیب ہے، جس کے پاس اپنی نسل کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، کنگلی تہذیب ہے۔ نہ بہن اور بیٹی کے لیے حیا کی چادر ہے اور نہ ماں اور بیوی میں تمیز کا ترازو ہے۔ نہ اولادیں اپنے باپ سے آشنا ہیں اور نہ بیویاں شوہر کی وفادار ہیں، والدین کے لیے اولڈ ہومز ہیں اور اولادوں کے لیے بے بی کیئر سنٹرز۔ گھر کی ایک چھت کے نیچے کچھ لوگ ضرور رہتے ہیں، مگر کوئی عزتوں کا محافظ نہیں، عیاشیوں کی لَت نے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دیا ہے۔

دوسری طرف مشرقی تہذیب ہے۔ خوشیوں اور وفاؤں سے مالامال تہذیب ہے۔ بہن اور بیٹی کے پاس حیا کی چادر ہے۔ باپ اور بھائی بھیڑیئے نہیں، عزتوں کے محافظ ہیں۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور بیوی گھر کو جوڑنے والی، خوشیاں بکھیرنے والی گھر کی مالکن ہے۔ بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے جوان اولاد بچھے جانے کے لیے تیار اور اُن کی ڈھیروں باتیں سننے کے لیے پوتوں اور نواسوں کی فوج ظفر موج بھی گھڑی گھڑی اُن کے کمرے میں بن پوچھے ہی گھسے رہتی ہے۔ دوسری طرف چھوٹی اولاد کی تربیت کے لیے کیا والدین، کیا دادا دادی، کیا پھوپھو چچا سبھی تیار۔ بولنا کیا سکھانا ہے؟ لباس کیسا پہنانا ہے؟ کارٹون کیسے دکھانے ہیں؟ مسجد کب بھیجنا ہے؟ نماز کا عادی کیسے بنانا ہے؟ سلام کی عادت کیسے ڈالنی ہے؟ صدقہ دلوانا، اپنی پاکٹ منی میں بہن بھائیوں کا حصہ رکھنا سبھی کچھ توبڑے احتیاط سے سکھایا جاتا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی دامت برکاتہم ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میرا جاپان کا سفر ہوا۔ میزبان کہنے لگا کہ ہماری ہمسائی جو غیر مسلم ہے، وہ اپنی بیٹی لے کر ہمارے گھر آئی اور کہنے لگی: تم اسے مسلمان کر لو۔ ہم نے پوچھا: تم تو غیر مسلم ہو۔ تم یہ کیوں چاہ رہی ہو؟ تو وہ کہنے لگی: میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے ہاں عورت کی بہت عزت ہے۔ صرف مرد کمانے کے لیے باہر دھکے کھاتے ہیں۔ عورتوں کو احترام سے گھر میں رکھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عورت ٹشو پیپر کی طرح ہے۔ ہر جگہ اسے بھیڑیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ میں نے جیسے تیسے زندگی گزار لی۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی بھی ایسی ذلت والی زندگی گزارے۔

قارئینِ گرامی! دو تہذیبوں کی کشمکش ہے۔ ایک مغرب کی کنگلی تہذیب اور دوسری مشرق کی وفاؤں سے مالامال تہذیب۔ مگر پھر سوال یہ ہے کہ ہم اپنی تہذیب سے اُچاٹ کیوں ہوئے جا رہے ہیں؟ مغرب نے چالاکی کی۔ پیدا ہونے والے بچے کو محبت کرنے والی ماں کے ہاتھ سے چھین کر موبائل کے حوالے کر دیا، گھر کے افراد کو فلموں، ڈراموں اور سوشل میڈیا کا اسیر کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہم سب حقیقی دُنیا سے نکل کر مصنوعی دُنیا کے پیچھے لگ گئے۔ کئی کئی گھنٹوں کے میک اَپ کے بعد اور لاکھوں میں سے ایک فنکارہ کے انتخاب کے بعد چند لمحات کی فلم بندی کر کے پوری قوم کو یوں خود فریبی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، جیسے یہی حقیقی زندگی ہے، حالاں کہ یہی فنکار لوگ نجی زندگی میں نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو کر خود کشیاں کر رہے ہوتے ہیں۔

دوسری طرف مشرقی تہذیب ہے۔ منبر و محراب کی تہذیب، مساجد و مدارس کی تہذیب، دینی تعلیمات کی تہذیب، جہاں خدا کی تعلیمات ہیں، رسول کے فرمودات ہیں، سوشل میڈیا سے ہٹ کر ایک حقیقی زندگی ہے، گھر کے محلے اور دفتر کے حقیقی کردار ہیں، سانجھی خوشیاں ہیں، رشتوں کا تقدس اور احترام ہے، ایک خاندانی نظام ہے، صرف صبح سے شام تک نہیں، بلکہ بچپن سے بڑھاپے تک چاہنے والے لوگ ہیں۔ خود غرضی پر مبنی ”امریکن سسٹم“ نہیں کہ جو بھی فنڈ جمع کرائے اور پھر دعوت کھائے۔ نہیں ایسا کچھ نہیں۔ مہمان اللہ کی رحمت ہے۔ بچوں کی عیدی دی جاتی ہے، بہن بھائیوں کو تحائف دیے جاتے ہیں، پریشانیوں میں مدد کی جاتی ہے۔ قارئینِ گرامی! سوشل میڈیا کے دھوکے سے نکلیں۔ مصنوعی دُنیا کو خیر باد کہیں، اپنی مالامال تہذیب کی قدر کریں، اپنے پیاروں کو وقت دیں، انھیں گلے سے لگائیں۔ ایک خاندان بن کر رہیں، تاکہ ہم اپنے معاشرے اور ملک و ملت کو ہنستے کھیلتے والے، خود اعتمادی سے بھرپور، ایک دوسرے کا خیال اور احترام کرنے والی نئی نسل دے سکیں۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَیۡهِمۡ طَیِّبٰتٍ
اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَثِیۡرًا 160

ترجمہ: غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں، جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں اور اس لیے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔ 160

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ
وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا 161

ترجمہ: اور سود لیا کرتے تھے، حالاں کہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں، ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ 161

لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ
وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَالۡمُقِیۡمِیۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ
وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤۡتِیۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِیۡمًا 162

ترجمہ: البتہ ان (بنی اسرائیل) میں سے جو لوگ علم میں پکے ہیں اور مؤمن ہیں، وہ اس (کلام) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (اے پیغمبر ﷺ!) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا اور قابلِ تعریف ہیں، وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنھیں ہم اجرِ عظیم عطا کریں گے۔ 162

اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡ
بَعۡدِهٖ وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ
وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ
وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا 163

ترجمہ: (اے پیغمبر ﷺ!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے، جیسے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کے پاس بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کے پاس اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے پاس بھی وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔ 163

وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَیۡكَ
وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰی تَكۡلِیۡمًا 164

ترجمہ: اور بہت سے رسول ہیں، جن کے واقعات ہم نے تمہیں سنائے ہیں اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان کے واقعات تمہیں پہلے نہیں سنائے اور موسیٰ سے تو اللہ براہِ راست ہم کلام ہوا۔ 164

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَكِیۡمًا 165

ترجمہ: یہ سب رسول وہ تھے جو (ثواب کی) خوش خبری سنانے اور (دوزخ سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان رسولوں کے آ جانے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ 165

لٰكِنِ اللّٰهُ یَشۡهَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ
وَالۡمَلٰٓئِكَةُ یَشۡهَدُوۡنَ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا 166

ترجمہ: (یہ کافر لوگ مانیں یا نہ مانیں) لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں وہ خود گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور (یوں تو) اللہ کی گواہی ہی بالکل کافی ہے۔ 166

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا 167

ترجمہ: یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ 167

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِیَهۡدِیَهُمۡ طَرِیۡقًا 168

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے (اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک کر ان پر) ظلم کیا ہے، اللہ ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ان کو کوئی اور راستہ دِکھانے والا ہے 168

اِلَّا طَرِیۡقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا 169

ترجمہ: سوائے دوزخ کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بات اللہ کے لیے بہت معمولی بات ہے۔ 169

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّكُمۡ
وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا 170

ترجمہ: اے لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر آ گئے ہیں۔ اب (ان پر) ایمان لے آؤ کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے اور اگر (اب بھی) تم نے کفر کی راہ اپنائی تو (خوب سمجھ لو) تمام آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ علم اور حکمت دونوں کا مالک ہے۔ 170

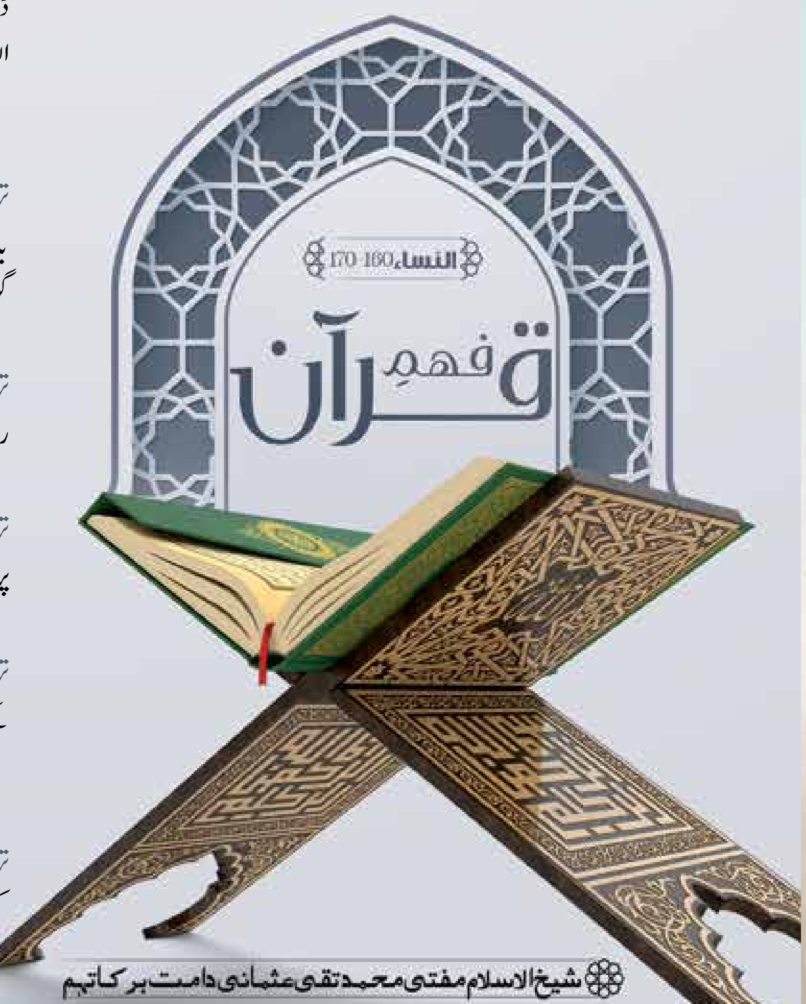

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

یومِ عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی حیثیت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَارَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَتَحَرّٰی صِیَامَ یَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰی غَیْرِهٖٓ اِلَّا هٰذَا الْیَوْمَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ یَعْنِیْ شَهْرَ رَمَضَانَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یومِ عاشورہ کے اور سوائے اس ماہِ مبارک رمضان کے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے طرزِ عمل سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ ﷺ عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے، اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِیَامِهٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُهُ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْیَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ یَاْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰی تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آں حضرت ﷺ نے یومِ عاشورہ میں روزہ رکھنے کو اپنا معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے کے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے، جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان شاء اللہ! جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے۔'' عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، لیکن اگلے سال کا محرّم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات واقع ہو گئی۔

تشریح: ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ ﷺ نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرّم کا مہینہ آیا ہی نہیں اور اس لیے اس نئے فیصلے پر عمل درآمد حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نہیں ہو سکا، لیکن امت کو رہ نمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہیے، چناں چہ اسی مقصد سے آپ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ ان شاء اللہ آیندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کا روزہ رکھنے کا آپ ﷺ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علما نے دونوں بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ آیندہ سے ہم بجائے دسویں محرّم کے یہ روزہ نویں محرّم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آیندہ سے ہم دسویں محرّم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھیں گے اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرز میں فرق ہو جائے گا۔۔۔ اکثر علما نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یومِ عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جا سکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانے میں چوں کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یومِ عاشورہ (دسویں محرّم) کا روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانہ ارفع تشابہ کے لیے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم!!

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اَثْقَلَ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن مؤمن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی، وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔

آئینۂ زندگی

پاکستان کا مطلب کیا تھا؟

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

75 سال پہلے اگست ہی کے مہینے میں ہمارا وطن آزاد ہوا تھا۔ رمضان کے مقدس مہینے ستائیسویں رات میں اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی۔ ایک نعمت وہ ہوتی ہے جو شخصی ہوتی ہے، شخصی نعمتوں میں پہلا نمبر نعمتِ ایمان کا ہے۔ اس کے بالمقابل سونے کے پہاڑ ہوں زمینیں اور جاگیریں ہوں، حتیٰ کہ ملک اور وطن کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان کی نعمت شخصی نعمتوں میں سرفہرست ہے اور ایک نعمت قومی سطح پر ہوتی ہے، اس میں سرفہرست آزاد مملکت اور پُرامن خطہ ہے۔ ایک آزاد ملک امن کے ساتھ مل جائے قومی سطح پر یہ اللہ کی غیر معمولی نعمت ہے۔ ایک آزاد خطہ ہے غلامی سے نجات مل گئی پُرامن خطہ نصیب ہو گیا آزادی کے ساتھ اپنی جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی کے مقصد پر زندگی گزار سکتا ہے۔ ایسا خطہ مل جانا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اللہ نے یہ وطنِ عزیز عطا فرمایا تھا، اس کے لیے اہلِ اسلام نے بڑی قربانیاں دی تھیں، ہم تو اس ملک میں تب پیدا ہوئے اور تب آئے جب یہ سب کچھ بن چکا تھا، لیکن اگر اس کے قیام کی تاریخ دیکھیں، اس کی پیدائش کی ابتدا دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ لاکھوں انسانوں نے قربانیاں دیں، ہزارہا خواتین کی عزتوں کو تار تار کیا گیا۔

مسلم لیگ تھی جو اس ملک کی آزادی کے لیے قیادت کر رہی تھی۔ اس میں قائدِاعظم محمد علی جناحؒ، لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین بنگالی، شہریار جنگ اس قسم کے سرکردہ لوگ اس کی قیادت کر رہے تھے۔ نعرہ کیا تھا کہ مسلمان اور کافر دو قومیں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ کیا صرف اکٹھا رہنا مسئلہ تھا، نہیں۔۔۔ اس کے پیچھے ایک مقصد تھا، ورنہ اکٹھے تو آج ہم پاکستان میں بھی رہ رہے ہیں، دنیا کے ہر خطے میں کافر مسلمان اکٹھے رہ رہے ہیں۔ یہ جو ایک نظریہ تھا کہ مسلمان اور کافر دو قومیں ہیں اکٹھے نہیں رہ سکتے، صرف مقصد یہ نہ تھا کہ دونوں اکٹھے کاروبار نہیں کر سکتے، دونوں اکٹھے بازار میں نہیں رہ سکتے، دونوں اپنے اپنے عبادت خانوں میں عبادت نہیں کر سکتے۔ آج وطنِ عزیز ہے یہاں اقلیتوں کو تحفظ حاصل ہے، یہاں سکھ بھی ہیں، ہندو بھی ہیں، مشرک بھی ہیں، عیسائی بھی ہیں۔ نظریہ یہ تھا کہ مسلمان بحیثیتِ مسلمان قومی سطح پر انھیں اسلامی نظام مل جائے۔ اسلام کا عادلانہ نظام ان کو میسر ہو سیکولر نظام نہیں، اگر سیکولر نظام کے تحت ہی زندگی گزارنی تھی تو وہ تو ہندوستان بھی موجود تھا۔ ایک ایسے خطے کی آزادی چاہیے تھی، جہاں مسلمان قومی سطح سے لے کر انفرادی سطح تک اسلام کی بہار دیکھ سکیں۔ اسلام کا عادلانہ نظام دیکھ سکیں، یہ پیشِ نظر تھا اور مسلمانوں نے اس کی خاطر قربانیاں دی تھیں۔ آج ہم جشن تو مناتے ہیں ہر طرف جھنڈوں کی بہار ہوتی ہے، جشنِ آزادی کی تقریبات ہوتی ہیں، لیکن افسوس! مسلمان اپنے آباواجداد کی اس تاریخ کو بھولتا چلا جا رہا ہے۔

پہلی صدی کی بات ہے۔ راجا داہر کی فوج نے چھے مسلمان بچیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان بچیوں نے کسی طرح یہ پیغام حجاج بن یوسف کو بھیج دیا۔ حجاج بن یوسف کوئی نیک اور پارسا آدمی نہیں تھا، لیکن جب اس کے پاس مسلمان بچیوں کا پیغام گیا کہ تم کیسے مرد ہو اور کیسے عرب اور مسلمان ہو؟ تمہارے دلوں میں اور تمہاری رگوں میں کیا اسلام اور عرب کا خون ختم ہو چکا ہے کہ تمہاری بہنیں اور بیٹیاں کافروں کے ہاتھ میں ہیں تو اس نے اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسمؒ کو بلایا اور اسے کہا فوج تیار کرو، 18 سال کا یہ سالار وہاں سے لشکر لے کر یہاں سندھ آیا، راجہ داہر کو قتل کیا اور اس کی فوج کو شکست دی، تب جا کر اسے ٹھنڈک پہنچی۔

سچ ہے! جب شرم وحیا اٹھ جائے تو غیرت مر جاتی ہے۔ کہاں تو چھے بچیوں کی رہائی کے لیے اتنی دور سے لشکر آیا اور کہاں ہزارہا بچیوں کی قربانی کی ہمیں قدر ہے نہ حکمرانوں میں شرم ہے۔

پاکستان بنانے کے پیشِ نظر یہ تھا کہ ایک ایسا خطہ مل جائے جہاں مسلمان اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ اور اس کی برکتیں آزادی کے ساتھ دیکھ سکیں۔ اسلامی شعائر کا تحفظ ہو اسلامی حدود کا نفاذ ہو اور منکرات اور اللہ کی نافرمانی کا انسداد ہو اور سدباب ہو مسلمان حکمران کی ذمے داری قرآن نے یہی بتائی ہے کہ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

کہ یہ لوگ اُس خطے میں اقامتِ صلوٰۃ کا نظام بنا دیتے ہیں اور زکوٰۃ دی جاتی ہے اور جب اسلام کا زکوٰۃ کا نظام کسی ملک میں نافذ ہو جائے، اس زمین پر پھر کوئی محتاج اور ضرورت مند نہیں رہتا، اس کے گھر کی دہلیز پر اسلامی حکومت کا وہ بیت المال وہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور وہاں نیکیوں کی حوصلہ افزائی اور گناہوں اور نافرمانیوں کے لیے وہاں اس کے لیے حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

یہ پیشِ نظر تھا، اس لیے یہ ملک آزاد ہوا تھا۔ اس کے لیے قربانی ہوئی تھی، لیکن آج 75 سال ہو گئے، ہم نے اس مقصد میں خیانت کی ہے، قومی سطح پر نفاق سے کام لیا ہے، اس نعمت کی ناقدری کی ہے کہ ایک حصہ ہم سے جدا ہو چکا ہے، اہلِ باطل کے اس گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے کہ قائدِاعظم محمد علی جناحؒ، لیاقت علی خان اور مسلمانوں کی قربانیوں سے جو وطنِ عزیز بنا تھا، آج وہ نہیں رہا۔ آج تو وہ وطن ہے جس کے لیے یہ نعرہ لگایا گیا تھا، "اِدھر ہم اُدھر تم" جب یہ نعرہ لگا تھا تو قائدِاعظم محمد علی جناحؒ کا وہ وطن جس کے لیے مسلمانانِ ہند نے قربانیاں دی تھیں، وہ تو نہ رہا، اتنی بڑی مسلم اکثریت کا وہ خطہ ہم سے جدا ہو چکا ہے اور کشمیر کس حالت میں ہے اور یہاں ملک کے اندر کا انتشار دیکھیے ہر ایک دستِ گریبان ہے۔ سیاسی جماعتیں رنگ نسل کی بنیاد پر تقسیم، فرقوں کا بھوت اور اژدھا اس وقت اس ملک کو کھوکھلا کیا جا رہا ہے، باہر کے خطرات الگ اندر کا یہ اختلاف اور انتشار الگ۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بیان فرمایا ہے، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

اگر پاکستان بننے پر اسے نعمت سمجھ کر ہم شکر ادا کرتے اور حق ادا کرتے تو اللہ کی طرف سے اور نعمت ملتی اور ملک ترقی کرتا۔ 75 سال پہلے ملک نہیں تھا، لیکن قوم یک جان تھی۔ باہم دست و گریبان نہیں تھی، ایمان اسلام پر اکٹھی تھی جان دینے کے لیے تیار تھی اور آج ملک کا ایک حصہ ہم گنوا چکے۔ باقی حصے میں ہر اختلافات ہیں وحدت نہیں، ہم ٹکڑوں میں تقسیم ہیں کتنا بڑا المیہ ہے کتنے بڑے دکھ کی بات ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ وطن عزیز لیا گیا اسے پس پشت ڈال دیا گیا اس کو نظر انداز کر دیا گیا اور نہ صرف نظر انداز کیا گیا بلکہ یہ احساس بھی مر چکا ہے کہ یہ آزادی ہم نے کس مقصد کے تحت لی تھی

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آج یہ احساس بھی مٹ چکا ہے کہ یہ ملک کس مقصد کے تحت حاصل کیا تھا یہ نعمت اللہ نے ہمیں کیوں دی تھی ہم نے تو نعرے لگائے تھے کہ آزاد ملک ملے گا، اسلامی شعائر کا تحفظ ہو گا، اسلام کا عادلانہ نظام نافذ ہو گا، اسلامی اتحاد کی بنیاد پر وطنِ عزیز بنے گا، اس نعرے پر اور اس کی خاطر بڑھ چڑھ کر قربانیاں دیں۔ اس نعمت کی حفاظت اہلِ پاکستان کی ذمہ داری تھی اور اس میں استحکام لے کر آتے، اس کے لیے ہماری صلاحیتیں لگتیں اور بنیادی چیز جس میں اس ملک کا تحفظ بھی تھا، استحکام بھی تھا اور یہ قوم اس کے لیے یک جان بھی ہو سکتی تھی، وہ ایک چیز تھی اور وہ کوئی نیا تجربہ نہیں تھا، وہ تو ہمارے نبی سے نقل آئی ہوئی چیز ہے اور وہ کیا چیز ہے؟

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ
قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

تم ٹکڑوں میں تقسیم تھے، طرح طرح کی تمہاری بولیاں تھیں، طرح طرح کے زندگی کے انداز تھے، لیکن اسلام آیا، ایمان آیا، لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ آیا اور اس نے تمہیں ایک لڑی میں ایسے پرو دیا کہ تم سب ایک جان ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ آہ! آج یہ پنجابی ہے، یہ برمی ہے، یہ بنگالی ہے، یہ بلوچی ہے، یہ مہاجر ہے، یہ پٹھان ہے اور پھر نہ جانے کتنی برادریوں کے بت ہیں، یہ سب پاش پاش ہو سکتے ہیں، لیکن تب جب اسلام کی بالادستی دل ودماغ کے اندر بھی ہو اور میری زندگی کی سب سے بڑی ترجیح اسلام ہو۔

یہ محرم کا مہینا ہے، جس سے نئے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے، نئے اسلامی کیلنڈر کی بنیاد ہجرت ہے۔ ہجرت کو اس کیلنڈر کی بنیاد اس لیے بنایا گیا کہ یاد رہے ملک بڑی نعمت ہے، لیکن اگر اس کے بدلے میں اسلام کی قیمت دینی پڑے تو وطن چھوڑا جا سکتا ہے، دین نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وطنِ عزیز بڑی نعمت ہے۔ اللہ نے آزادی کا خطہ دیا ہے، لیکن تب تک جب تک یہ اسلام کے لیے ہے، دین کے لیے ہے، ہم اس کی آزادی کی خاطر دین نہیں قربان کر سکتے، اسلام نہیں چھوڑ سکتے، ہم یہ آزادی کی قیمت دینے کے لیے تیار نہیں، ہمارے آباؤاجداد نے ہجرت کر کے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ مکہ کا وطن بہت دل عزیز ہے، لیکن یہ قربانی مانگتا ہے اسلام کی، لیکن یہ قربانی مانگتا ہے دین کی، وطن چھوڑ دیں گے، لیکن دینِ اسلام نہیں چھوڑیں گے۔۔۔

تو یہ اللہ نے وطنِ عزیز کی شکل میں نعمت دی، لیکن بڑی نعمت ہے، اس لیے کہ یہ اسلام کی خاطر لیا گیا ہے، دینِ اسلام کے تحفظ کی خاطر لیا گیا ہے، اسلامی اخوت اسلامی برادری کی خاطر لیا گیا ہے۔ دشمن بھی جانتا ہے، باطل بھی جانتا ہے، اسلام دشمن قوتیں بھی جانتی ہیں، اس ملک کو توڑا جا سکتا ہے، اسے کالونیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جیسے عربوں کو تقسیم کیا، وہاں بھی ایک ہی بت تھا، وہاں بھی ایک چیز تھی، جو انھیں تقسیم کرنے والی تھی۔۔۔ وطنیت کا بت، زبان کا بت، علاقائیت کا بت، قبائلیوں کا بت، اس نے کالونیوں میں اسے تقسیم کر دیا ہے۔ ان کے دل ودماغ سے جب اسلام کی بالادستی نکلی، وہ کالونیوں میں تقسیم ہو گئے۔ آج بھی باطل سمجھتا ہے وطنِ عزیز کو اگر ٹکڑوں میں تقسیم کرنا ہے، علاقائیت میں تقسیم کرنا ہے، زبانوں میں تقسیم کرنا ہے، فرقوں میں تقسیم کرنا ہے، گروہوں میں تقسیم کرنا ہے، سیاسی تعصّبات میں تقسیم کرنا ہے، اس کا ایک ہی راستہ ہے، انھیں دین سے بےزار کر دو۔۔۔ ان کے اسلامی ایمان کی جڑیں کھوکھلی کر دو اور یہ محنت اس ملک میں ہو رہی ہے۔ اس کے تعلیمی ادارے بے دینی کی فضا پیش کر رہے ہیں، اس کے قومی اداروں کے اندر بے دینی کو فروغ دیا جا رہا ہے، اس کے تمام ذرائع ابلاغ کو بے حیائی اور فحاشی کے لیے وقف کر رکھا ہے، اس لیے کہ جب تک یہ بے دین نہیں بنائیں گے، اس وقت تک اس ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا نہیں کیا جا سکتا؟ اس ملک کا تحفظ اور اس کا استحکام ہماری دینی ایمانی اسلامی ذمہ داری ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دینی زندگی کو قومی سطح پر بھی اور اپنی انفرادی سطح پر بھی اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر اس کو فروغ دینے کی اور اس کو آگے بڑھانے کی کوششوں میں شامل ہوں۔ اللہ رب العزت وطنِ عزیز کو ہمیشہ سلامتی کے ساتھ رکھے اور اسے ہمیشہ استحکام نصیب فرمائے۔ آمین!

جامعہ بیت السلام تلہ گنگ میں دورہ حدیث کے آغاز پر شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا خطاب

برصغیر میں دورہ حدیث: اہداف ومقاصد

یہ میرے لیے ایک سعادت کا موقع ہے کہ آج اس مبارک جامعہ بیت السلام میں دورۂ حدیث کے آغاز کے موقع پر حضرت مولانا عبدالستار صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حاضری کی دعوت دی اور اس مبارک موقع پر شرکت کی سعادت بخشی۔ الحمد للہ ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے مولانا عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کو علمی تعلیمی اور تربیتی محاذ پر بڑی عظیم خدمتوں کے لیے وقف فرمایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے اپنے دین کی خدمت کا کام لے رہے ہیں، وہ ماشاء اللہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کی جتنی تعریف اور ہمت افزائی کی جائے کم ہے۔ اللہ انھیں ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرمائیں اور اخلاص کے ساتھ مزید علم ودین کی مزید خدمت کے لیے موفق فرمائیں۔

اس مدرسے میں دورہ حدیث کا اس سال سے آغاز ہو رہا ہے اور حضرت مولانا نے اپنی محبت کی وجہ سے مجھے اس افتتاح میں شریک ہونے کا شرف عطا فرمایا اور ابھی آپ کے سامنے عزیز طالب علم نے صحیح بخاری کا پہلا باب پوری سندِ متّصل کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی پہلی حدیث بھی آپ کے سامنے پڑھی ہے، اس حدیث کے مفہوم کی طرف آنے سے مختصراً یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دورۂ حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اگر اس وقت پورے عالمِ اسلام پر نظر ڈالی جائے اور وہاں کے جو تعلیمی ادارے ہیں، ان کے نظام کو دیکھا جائے تو سوائے برِّصغیر کے یعنی پاکستان ہندوستان بنگلادیش نیپال وغیرہ جو برِّصغیر کے علاقے ہیں، دنیا کے کسی ملک میں اور عالمِ اسلام میں کہیں بھی آپ کو یہ دورۂ حدیث کا سلسلہ نہیں ملے گا۔ بڑے بڑے جامعات ہیں جو دنیا بھر میں مشہور ہیں، جامعۃ الازہر مصر میں اور جامعہ زیتونہ تیونس میں جامعہ قیروان مراکش میں اور اس کے علاوہ خود مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ ہے، ریاض میں جامعہ امام محمد بن سعود ہے اور ان میں علمی اور تحقیقی اعتبار سے بہت سی جگہوں پر قابلِ قدر کام بھی ہو رہا ہے، لیکن ان تمام جامعات میں آپ کو کہیں یہ دورۂ حدیث کی شکل میں حدیث کی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ نظر نہیں آئے گا۔ یہ صرف ہمارے اکابر حضرات علمائے دیوبند نے جو تعلیمی سلسلہ جاری فرمایا صرف اسی کی خصوصیت ہے۔ یہ دورۂ حدیث سے پہلے جو آپ نے مختلف درجات پڑھے، اس میں مختلف علوم وفنون پڑھائے گئے، ایک ہی سال میں ایک گھنٹے فقہ کا، ایک اصولِ فقہ کا ہے، ایک عقائد کلام کا ہے، تفسیر کا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک ہی سال میں کئی کئی علوم کی کتابیں آپ کو پڑھائی جاتی رہی ہیں دورۂ حدیث سے پہلے، لیکن جب آپ دورۂ حدیث پر پہنچتے ہیں تو صبح سے لے کر شام تک ایک ہی وظیفہ ہوتا ہے اور وہ ہے حضور نبی کریم ﷺ کی احادیث کا اور آپ کی سیرت اور سنت کا جیسا میں نے عرض کیا کہ یہ طریقہ اب دنیا میں کہیں اور آپ کو نہیں ملے گا۔

ہوتا یہ ہے کہ ان جامعات میں جن کا میں نے ذکر کیا احادیث کے منتخبات پڑھائے جاتے ہیں۔ احادیث کا کچھ انتخاب جو مختلف کتابوں میں ہے، وہ پڑھا دیا جاتا ہے اور اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے، لیکن یہ سلسلہ کہ کوئی حدیث کی کتاب اوّل سے لے کر آخر تک سندِ متّصل کے ساتھ کہیں پڑھائی جاتی ہو، کم از کم میرے علم میں نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم پر اثرات واقع ہوگئے ہیں، اس مغربی نظامِ تعلیم کے جو استعماری قوتوں نے ہم پر مسلط کیا ہے، بظاہر ان کی یہ بات بعض لوگوں کے دلوں میں بھی اشکال پیدا کرتی ہے کہ جب ہم دورۂ حدیث پڑھتے ہیں تو ایک ہی حدیث ہے، وہ پہلے بخاری میں پڑھی پھر مسلم میں پڑھی پھر ابو داؤد میں پڑھی پھر ترمذی میں پڑھی مختلف کتابوں میں پڑھ رہے ہیں، مختلف کتابوں کی بات تو الگ رہی، ایک صحیح بخاری ہے اسی میں ایک حدیث ایک باب کے تحت پڑھی پھر دوسری مرتبہ وہی حدیث دوسرے باب کے تحت پڑھی پھر وہی حدیث تیسرے باب کے تحت پڑھی، حدیث ایک ہی ہے معنی ایک ہی ہے مطلب ایک ہی ہے تو اس نظامِ تعلیم والے لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بھئی حدیث ہی تو پڑھنی ہے ناں تو دس مرتبہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ بیس مرتبہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات وہ فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں گزاری اور یہ دیکھنے کے لیے کہ حضور اکرم ﷺ رات کے وقت کس طرح نماز پڑھتے ہیں، وہ واقعہ انھوں نے بیان کیا۔ وہ واقعہ ایک جگہ پڑھ لیا، دوسری جگہ پڑھ لیا، تیسری جگہ پڑھ لیا، بیس مرتبہ پڑھ لیا، بار بار پڑھنے سے کیا حاصل ہے اور دورۂ حدیث میں عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ آخر سال میں صبح کو بھی سبق ہو رہا ہے، دوپہر کو بھی ہو رہا ہے، شام کو بھی ہو رہا ہے، مغرب کے بعد بھی ہو رہا ہے، عشاء کے بعد بھی ہو رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے کہ وہی حدیثیں جو پہلے پڑھی تھیں وہی پڑھی جا رہی ہیں۔ کیا حاصل اس کا؟ وہ کہتے ہیں اس کی بجائے حدیثوں کا ایک انتخاب لے لو اور اس حدیثوں کے انتخاب کو پڑھ کر

جتنی حدیثیں اس میں آجائیں گی وہ ساری تقریباً کور ہو جائیں گی، الا ماشاء اللہ! جو اصل مقصود ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات حاصل ہوں، وہ حاصل ہو جائیں گی۔۔۔ لیکن خوب سمجھ لیجیے! ہمارے بزرگوں نے یہ سلسلہ جو جاری رکھا، میں یہ نہیں کہتا کہ شروع کیا کیوں کہ جو چلا آتا ہے تو وہ توارث اس متوارث طریقوں کو جاری رکھا، دوسرے لوگوں نے چھوڑ دیا، وہ متوارث طریقہ یہ ہے کہ ہر حدیث چاہے وہ کسی بھی سند سے آئی ہو چاہے وہ کسی بھی طریق سے آئی ہو، چاہے اس کے الفاظ میں تھوڑا بہت فرق ہو، لیکن ہر حدیث طالبِ علم اپنے استاد کے سامنے بیٹھ کر پڑھے اور اس کی روایت حاصل کرے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے علومِ دین کے اندر اور خاص طور پر قرآن و حدیث کے اندر یہ ایک خصوصیت رکھی ہے کہ اگر قرآنِ کریم یا اس کی تفسیر یا حدیثِ رسول اللہ ﷺ وہ کسی استاد کے ساتھ بیٹھ کر اس کے سلسلۂ سند کے اندر داخل ہو کر جو پڑھی جاتی ہے، اس کے انوار، اس کی برکات، اس کے فوائد حقیقت میں وہ اسی وقت حاصل ہوتے ہیں، ورنہ اگر منتخبات کی بات ہے تو منتخبات کے ترجمے چھپے پڑے ہوئے ہیں، کوئی بھی طالبِ علم ان کو پڑھ لے اور کہہ دے کہ میں نے حدیث پڑھ لی ہے، لیکن حدیث صرف پڑھنا نہیں ہے، حدیث روایت کرنا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سنت جاری فرمائی ہے کہ قرآنِ کریم ہو یا کوئی بھی آسمانی کتاب ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کی، جب بھی اللہ تعالیٰ کوئی کتاب بھیجتے ہیں انسان کی رہنمائی کے لیے تو اس کے ساتھ ایک پیغمبر ضرور آتا ہے، ایسی مثالیں ہیں کہ پیغمبر آئے نئی کتاب کوئی نازل نہیں ہوئی، لیکن ایک بھی ایسی مثال نہیں ہے، جس میں کتاب آئی ہو اور پیغمبر نہ آیا ہو بلکہ مشرکینِ مکہ تو اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ بھئی! کیا ضرورت ہے کہ ہم جنابِ رسول اللہ ﷺ سے قرآن حاصل کریں۔ ہمارے اوپر قرآن کیوں براہِ راست نازل نہیں کر دیا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے کچھ مشکل بھی نہیں تھا اور بڑا معجزہ ہوتا کہ صبح جب انسان بیدار ہو تو اس کے سرہانے بہترین طریقے سے مجلد کتاب قرآنِ کریم اس کے پاس موجود ہو جاتی ہے اور آسمان سے آواز آجاتی کہ یہ میری کتاب ہے اس پر عمل کرو، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی کتاب اس طرح نازل نہیں فرمائی، ساتھ میں پیغمبر کو بھیجا، کیوں بھیجا؟

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ "تاکہ وہ کتاب کی تعلیم دے، لوگوں کو تعلیم دے"

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ "ہم نے آپ کے اوپر قرآن اس لیے نازل فرمایا تاکہ لوگوں کے سامنے آپ کھول کھول کر بتادیں جو ان پر نازل ہوا ہے" یعنی تشریح کر کے بتادی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ کوئی علم جب عطا فرماتے ہیں تو کسی واسطے کے ذریعے عطا فرماتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، وہ پیغمبر کو واسطہ بناتے ہیں، اس لیے بناتے ہیں کہ پیغمبر کی تعلیمات وہ در حقیقت قرآنِ کریم کی تفسیر ہوتی ہیں اور اس کو بڑی خوب صورت تعبیر میں قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

"کہ ہم نے تمہارے پاس ایک کتابِ مبین بھیجی ہے، یعنی قرآنِ کریم اس کے ساتھ نور بھی بھیجا ہے۔" اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ اگر آپ کے پاس بہت شاندار کتاب رکھی ہوئی ہے، کھلی ہوئی، لیکن نور نہیں ہے، روشنی نہیں ہے یا تو اندھیرا ہے یا پھر روشنی ہے، مگر آنکھوں میں نور نہیں ہے، بینائی کا نور نہیں ہے تو کتاب کتنی اعلیٰ کیوں نہ ہو، میں اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اسی طرح نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات کو یہاں پر نور سے تعبیر فرمایا گیا کہ ہم نے صرف کتاب نہیں بھیجی بلکہ کتاب کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات کا نور بھی بھیجا ہے اور اس نور کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کتاب سے منتقل نہیں ہوتا، کتاب تو موجود ہے، لیکن وہ نور کتاب سے منتقل نہیں ہوتا، وہ سینہ سے سینہ کی طرف منتقل ہوتا ہے جب استاذ اس حیثیت سے کہ وہ قرآن یا حدیث پڑھا رہا ہے جب اس حیثیت سے بیٹھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ذریعہ بنا دیتے ہیں اس نور کو منتقل کرنے کا، جو اس نے اپنے استاذ سے حاصل کیا ہے تو بغیر استاد سے حاصل کیے ہوئے اگر انسان حاصل کرے گا تو اس کو کتاب تو مل جائے گی، لیکن کتاب کے لیے جو نور درکار ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔

آپ تجربہ کر لیجیے، آج تو دورۂ حدیث کی صورتِ حال یہ ہے کہ دورۂ حدیث کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی اردو میں شرح یا اردو میں تقریر کوئی نہ کوئی چھپی ہوئی نہ ہو، جب چھپی ہوئی موجود ہے تو آپ گھر میں آرام سے بیٹھ کر بستر کے اوپر لیٹ کر تقریر کھولیں اور اس کو پڑھتے جائیں۔ اوّل تو خود ہی سمجھ میں آجائے گی کہیں اِکّا دُکّا کہیں کچھ سمجھ میں نہ آئے تو کسی سے پوچھ لے تو دورہ تو اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی مطالعہ سے ساری تقریریں ساری شرحیں پڑھ لے، لیکن اس سے کیا ہوگا؟ اس سے یہ ہوگا کہ کتاب تو آجائے گی، لیکن وہ نور جو ایک سلسلۃ الذہب سے منتقل ہوتا ہوا آرہا ہے وہ داخل نہیں ہوگا۔

ابھی میرے عزیز طالبِ علم نے سند پڑھی مجھ سے لے کر میرے اساتذہ پھر اساتذہ کے اساتذہ سے لے کر امام بخاریؒ تک پھر امام بخاریؒ سے لے کر جنابِ نبی کریم ﷺ تک۔۔۔ یہ ایک سلسلۃ الذہب ہے، یہ ایک سونے کی زنجیر ہے، جس کی ابتدا ہم سے ہوتی ہے تو انتہا جا کر رحمۃ اللعالمین ﷺ پر ختم ہوتی ہے۔ اس لڑی میں کسی نے کسی طرح منسلک ہو جانا اور اس کے اندر پرویا جانا یہ بذاتِ خود ایک عظیم نعمت ہے اور یہ کتاب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتی، یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب استاذ کے سامنے بیٹھ کر حدیث کو پڑھا جائے، اس سے روایت حاصل کی جائے، تب یہ نور منتقل ہوتا ہے، اسی لیے صحابہ وتابعینؒ سے لے کر آخری دور تک سنت یہی رہی ہے کہ استاذ کے پاس جائے۔ حافظ ابن حجرؒ جیسا انسان آپ لوگوں نے ضرور نام سنا ہوگا علامۃ الدہر آیۃٌ من آیۃِ اللہ جس کو حضرت شاہ صاحب حافظ الدنیا کہا کرتے تھے ان کو پتا چلا کہ یمن میں حدیث کے استاد ہیں۔ یمن میں رہنے والے مصر کے وہ استاد ہیں جن کی سند تھوڑی سی عالی ہے، یعنی ان کے اور رسولِ کریم ﷺ کے درمیان واسطے کم ہیں تو سفر اختیار کیا، کس لیے؟ وہ حدیث تو پہلے ہی سے معلوم تھی، دوسرے اساتذہ سے سنی ہوئی تھی، لیکن ان کے سلسلۂ اسناد میں داخل ہو کر ان کی برکات کو حاصل کرنے کے لیے مصر سے لے کر یمن تک کا لمبا سفر کیا۔ یہ کیوں؟؟ آج کل کے نئے روشن خیال ماہرینِ تعلیم کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو بے وقوفی ہے۔ ارے بھئی! خود حدیث موجود ہے تمہارے پاس، اس سے خود معنی سمجھ سکتے ہو، استنباط کر سکتے ہو اور تمہارے پاس بھی کہیں روایت ہی سے آئی ہے، لیکن تم جا کر یمن میں کسی اور سے اس کو اس وجہ سے حاصل کر رہے ہو کہ وہاں سے میری سند عالی ہو جائے گی۔ یہ جو اہتمام تھا حضراتِ محدثینؒ کا، یہ اہتمام در حقیقت حدیث کی روح کو منتقل کرتا ہے، حدیث کے نور کو منتقل کرتا ہے اور ہمارے حضرت والا حضرت عارفی قُدِّسَ سِرُّہٗ ایک بڑی پیاری مثال دیا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ایک صدرِ مملکت کراچی سے لاہور جا رہا ہے اور اس کے لیے بہت شاندار ٹرین بوگی لگی ہوئی ہے، شاہانہ نئی تازی نیا رنگ چڑھا ہوا ہے، نئی سیٹیں لگی ہوئی، کھانے پکانے کا اس میں بہترین انتظام، نوکر چاکر جب وہ روانہ ہوئی لاہور کے لیے تو اسٹیشن ماسٹر نے سوچا کہ یہ پرانا ڈبا پڑا ہوا ہے خراب اس کی مرمت ہونی ہے اور وہ لاہور جا کر ہوگی تو وہ اس بڑے شاہانہ بوگی کے ساتھ پرانا ڈبا لگا دیا، اس کے کنڈے پر کنڈے لگا دیے، اب کہاں وہ شاہانہ بوگی اور کہاں یہ پرانا ڈبا جو چلتے ہوئے بھی چوں چوں بولتا ہے تو وہ شاہانہ بوگی، وہ اس کے اوپر ہنستی ہے کہ تو کہاں لگ گیا۔ ہمارے ساتھ تجھے ٹھیک سے چلنا نہیں آتا، تیرے پہیے ڈگمگاتے ہیں، تیرے میں سے چوں چوں کی آواز نکلتی ہے تو کہاں لگ گیا ہمارے ساتھ؟؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں بے شک پرانا ہوں، میں بوسیدہ ہوں، مرے پہیے ڈگمگاتے ہیں، میرے اندر سے آوازیں نکلتی ہیں، لیکن میرا کنڈا تیرے کنڈے کے ساتھ لگا ہوا ہے، اس واسطے جب تو لاہور پہنچے گا تو میں بھی پہنچ جاؤں گا اور جب میں پہنچوں گا تو میری وہاں جا کر مرمت بھی ہو جائے گی، پھر ٹھیک ٹھاک ہو جاؤں گا۔۔۔

تو ہمارے حضرتِ والا فرمایا کرتے تھے کہ یہ سلسلہ جو ہے نا سلسلہ اسناد، انھوں نے میرا نام لیا یہ پرانا دھرانا ڈبا لگ گیا اور آگے جتنے بھی نام لیے وہ شاندار بوگیاں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان محدّثین کو عطا فرمائی تھیں۔۔۔ تو ہے تو بالکل انمل جوڑ!! کہاں یہ حضرات جن کا نام پکارا گیا، لیکن چوں کہ کنڈے سے کنڈے لگا ہوا ہے تو ان شاء اللہ، اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ جب وہ پہنچیں گے تو اسی طرح ہم بھی پہنچ جائیں گے تو یہ اسناد کا جو سلسلہ ہے یہ ایک طرف تو بات کو یقینی اور پکا بنانے کے لیے ہے، دنیا کے کسی دین میں کسی مذہب

بقیہ صفحہ 13 پر

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے ساتھ بیتے

چند لمحات

محمد عکاشہ اشرف

تین جون 2022ء بروز جمعہ عصر کے وقت حضرت شیخ الاسلام صاحب کی جامعہ بیت السلام تلہ گنگ میں آمد ہوئی۔ طلبہ نے پر تپاک استقبال کیا۔ حضرت قیام گاہ تشریف لے گئے۔ عصر اور مغرب کے درمیان رئیس جامعہ حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللہ نے ادارے کے مقاصد اور خدمات کی کچھ تفصیل حضرت شیخ الاسلام صاحب کے سامنے پیش کی۔ حضرت شیخ نے نہایت خوشی کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔ نماز مغرب کے بعد حضرت شیخ نے جو گفتگو فرمائی اس کا خلاصہ عرض ہے

"ماشاء اللہ، آپ حضرات نے نام بھی کیا خوب رکھا ہے، بیت السلام، یعنی سلامتی کا گھر۔۔۔ "السلام" یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں میں سے ایک ہے۔۔۔"

اس کے بعد لفظ 'السلام' کے ضمن میں ہی گفتگو فرماتے ہوئے اس حدیث کی تشریح فرمائی کہ "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ" یہ جو حدیث ہے نا، یہ ہم لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل رہتی ہے اور اس بات کا اہتمام کہ میری ذات سے کسی کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے، اس کو ہم دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ معاشرت کے جو آداب ہیں، جو رسولِ کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی سنتیں ہیں، اُن کا ہمیں خیال نہیں رہتا اور بعض اوقات عبادتوں کی انجام دہی میں بھی ایذا رسانی کے ہم مرتکب ہو جاتے ہیں۔

مصافحہ کرنا ہے، چاہے کچھ ہو جائے۔

رسولِ کریم ﷺ تہجد میں اٹھتے ہیں تو "قَامَ رُوَیْدًا" "فَتَحَ الْبَابَ رُوَیْدًا" کہ ازواج مطہرات میں سے کسی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ اس کا اہتمام تھا۔۔۔ تو شریعت کا صرف ہم نے نام رکھ لیا ہے، نماز روزے کا اور عبادات کا، لیکن یہ سلامتی والا جو معاملہ ہے، یہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔ مسلمان اس وقت تک مسلمان بن نہیں سکتا جب تک اُس کے اندر سلامتی کا وصف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو ہمارے لیے تحیہ بنا دیا، السلام علیکم۔۔۔ ملاقات کے بعد پہلا جملہ یہ ہے۔ السلام علیکم۔۔۔ اب یہ ایسی دعا ہے، السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ کہ اگر یہی قبول ہو جائے دوسرے کے حق میں تو دنیا آخرت کی تمام اچھائیاں اس کو مل گئیں، دنیا کی سلامتی، آخرت کی سلامتی۔ دنیا کے کسی مذہب، کسی قوم میں تحیہ یعنی ملاقات کے وقت میں اس جیسا کوئی کلمہ نہیں ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔ اور اِس کو اس لیے ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا کہ اِس کو رواج دو۔

"إفشاء السلام" حدیث میں ہے، اچھے سلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو رواج دو لوگوں میں!!

اللہ تعالیٰ "بیت السلام" کو صحیح معنیٰ میں بیت السلام بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کا نام دار السلام رکھا یہاں آپ نے "بیت السّلام" کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ذریعہ بنا دیے دار السلام تک پہنچنے کا اور وہ اسی طرح ہو گا کہ سلامتی اللہ سے مانگتے رہیں، ہر کام میں سلامتی!! یہ سب اس کی عطا ہے۔ اس بات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں۔ آمین

آدمی کرتا بھی رہے اور ڈرتا بھی رہے کہ بھائی! پتا نہیں اس میں کیا کمی ہو رہی ہو گی اور کون سی بات پسند ہو گی اور کون سی نہیں ہو گی، اِسی کا نام خشیت ہے اور یہی علم کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (الفاطر: 28) اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمادے آمین۔

گفتگو کے بعد بعض احباب نے کچھ سوالات بھی کیے، جن کے شیخ صاحب نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ جوابات عنایت فرمائے۔ اس کے بعد نمازِ عشاء ادا کی گئی۔

دوسرے دن صبح نو بجے کے بعد دورۂ حدیث کے آغاز کے لیے پہلا درس ہونا تھا، جس کے شروع میں شیخ صاحب کی مدح میں چند عربی اشعار جامعہ بیت السلام کے ایک مدرس نے پیش کیے۔ بعد ازاں، شیخ الاسلام صاحب کے ہاتھوں مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللہ کو وفاق المدارس العربیہ کی جانب سے ایک اعزازی شیلڈ سے بھی نوازا گیا۔ اس کے بعد درسِ بخاری شروع ہوا، جو تقریباً پون گھنٹے تک جاری رہا۔ ایک جگہ بیان کے دوران ایک طالبِ علم سے سوال پوچھتے ہوئے فرمایا کہ "بتاؤ بھائی! آپ علم کس لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ کیا مقصد ہے علم حاصل کرنے کا؟" طالبِ علم نے جواب دیا: "دین کا کام کرنے کے لیے۔" اس پر حضرت نے فرمایا کہ پہلے اپنا کام تو ہو جائے۔ یہ بھی شیطان کی طرف سے ایک مغالطہ ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد اصلاح نفس ہونا چاہیے۔ دوسروں کی اصلاح تب کر سکیں گے جب خود اپنی اصلاح ہو گی۔

یاد رکھیے! اگر علم کا حاصل ہونا صرف مطالعے کے ذریعے بغیر کسی استاذ کے ممکن ہوتا تو آسمانی کتابوں کے ساتھ کسی رسول کو بھیجنے کی حاجت نہ تھی، اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہ تھا کہ کسی رات ہر مسلمان کے سرہانے قرآن پاک کا ایک ایک عمدہ نسخہ اور خوب صورت جلد میں رکھ دیا جاتا اور غیب سے یہ آواز لگا دی جاتی کہ اسے پڑھو اور اس پر عمل کرو! لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ساتھ شارح قرآن حضور اکرم ﷺ کو بھیجا اور فرمایا: "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" تاکہ وہ پیغمبر کتاب کی ان کو تعلیم دیں۔

حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا: "حضرت گنگوہیؒ دورہ کے کلاسوں کے تمام حصے خود پڑھاتے تھے۔۔۔"

اس موقع پر مولانا عبد الستار صاحب حَفِظَہُ اللہ فرمانے لگے: "غالباً آخری عمر میں حضرت (گنگوہیؒ) کی بینائی چلی گئی تھی۔"

شیخ صاحب نے ارشاد فرمایا: "جی ہاں بینائی باقی نہ رہی تھی اور حضرت گنگوہیؒ نے وقت دیکھنے کے لیے جو گھڑی تھی، اس کا اوپر والا حصہ نکال دیا تھا اور اس طرح انھیں گھڑی کی سوئیوں کو ہاتھ سے محسوس کر کے وقت کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ گھڑی پھر حضرت گنگوہیؒ نے میرے دادا، مولانا یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمائی جو بعد میں میرے والد ماجد (مفتی محمد شفیع عثمانی قدس سرہ) کے پاس پہنچی اور اب الحمد للہ وہ گھڑی میرے پاس موجود ہے۔"

"ہمارے دادا مولانا یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے، لہٰذا چھٹی والے دن پیدل سفر کر کے گنگوہ پہنچتے تھے، دیوبند سے گنگوہ تک۔" پھر فرمانے لگے کہ "اگرچہ ہم نے اپنے دادا مولانا یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تو نہیں دیکھا البتہ دادی صاحبہ کی زیارت بار بار نصیب ہوئی۔ وہ بھی حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھیں۔ دادی صاحبہ کا حال یہ تھا کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کی آواز نکلتی تھی۔"

حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم کی بعض اسلامی اسکولوں کے سربراہان سے جامعہ کے آڈیٹوریم میں ایک مجلس طے تھی وہاں حضرت نے مختصراً تمہیدی بات ارشاد فرمائی جس میں اس بات پر زیادہ زور دیا گیا تھا کہ ہمیں تعلیمی نظام کی ترتیب اور اصلاح کے موقع پر آپس میں ایک دوسرے کی گزارشات کے بارے میں اتفاق رائے سے کام لینا ہو گا۔ اس سلسلے میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ پہلے اُن نکات پر اجماع کرنا بہتر ہے جن پر ہم میں سے ہر ایک متفق ہو سکتا ہے۔ شیخ الاسلام صاحب کے خطاب کے بعد اسکولوں کے ترجمان حضرات نے اپنی گزارشات پیش کیں، حضرت شیخ ان کی گفتگو کے اہم نکات نوٹ فرماتے رہے۔

اس کے بعد جامعہ کے اساتذہ تشریف لے آئے۔ شیخ الاسلام صاحب ان سے مخاطب ہوئے: "ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا (قدس سرہ) دار العلوم کراچی تشریف لائے، ہم نے عرض کیا کہ حضرت نصیحت فرما دیجیے، تقریر کرنے کا تو معمول نہ تھا، صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا: اپنی قدر پہچانو!" حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کا یہ جملہ سنا کر شیخ الاسلام صاحب اٹھ کھڑے ہوئے کچھ دیر بعد ظہر کی نماز ادا کی گئی۔ اس کے بعد الوداعی ملاقات کا ایک سلسلہ چلا اور تقریباً شام چار بجے کے قریب شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہُ اللہ ہمارے ہاں تقریباً 23 گھنٹے گزار کر یہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔

آمد پہ تیری عطر و چراغ و سَبو نہ ہوں
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

بقیہ

برصغیر میں دورہ حدیث: اہداف و مقاصد

میں اسناد کا سلسلہ نہیں ہے۔ یہودیوں سے پوچھو تمہاری کتاب جو تم پڑھتے ہو، اس کی کوئی سند ہے، انجیل والوں سے پوچھو تمہارے پاس کوئی سند ہے، جس کو تم انجیل کہتے ہو۔ نہیں ہے، بس دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ اس کو انجیل مانو، اس کو تورات مانو، اللہ نے اس امتِ محمدیہ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خصوصیت بخشی کہ اس کی پوری سند محفوظ ہے

اور صرف سند ہی نہیں اس سند کے ایک ایک آدمی سے جس کے نام پر ہاتھ رکھ دو، اس کا پورا کچا چٹھا تمہیں اسماء الرجال میں مل جائے گا، جس نام پر بھی ہاتھ رکھ دو پتا چل جائے گا کہ یہ کون تھا؟ کہاں پیدا ہوا تھا؟ کس سے علم حاصل کیا تھا؟ کیسے اس کے اخلاق تھے؟ کیسے اس کے احوال تھے؟ کیسا اس کا حافظہ تھا؟ ساری تفصیل اس میں موجود ہے تو میرے بھائیو! عرض یہ کر رہا ہوں کہ یہ دورۂ حدیث جو ہے یہ کوئی معمولی چیز نہیں!!!

بعض اوقات ہمارے ساتھیوں میں طلبہ میں یہ بے وقوفانہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ سبق میں آئے نا آئے تفسیر تو چھپی ہوئی ہے، تشریح پڑھ لیں گے اور جو سبق میں جو کچھ ہوا تھا، وہ ہمیں تقریر سے پتا چل جائے گا تو اگر حاضر نہ بھی ہوئے تو کیا ہے، یہ انتہائی شیطان کا دھوکا ہے۔ خوب سمجھ لو! یقین رکھو اس بات پر کہ جو حدیث آپ کسی استاذ کے ساتھ سامنے بیٹھ کر سند کے ساتھ پڑھو گے اس میں اور ترجمہ میں جو پڑھو گے اس میں، زمین و آسمان کا فرق ہو گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ذریعہ بنایا ہے تم تک نور پہنچانے کا، وہ استاد کو بنایا ہے، استاد اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، استاد کے پاس کچھ نہیں ہے، محقّقِ حقیقی تو اللہ جلّ جلالہٗ کی ذات ہے، لیکن اس نے واسطہ بنا دیا ہے استاد کو تو وہ استاد کے ذریعے دیتا ہے، وہ نور عطا فرماتا ہے جو صرف کتاب کے پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دورۂ حدیث کا سلسلہ جو ہمارے یہاں چلا آ رہا ہے وہ درحقیقت اس روایت کے اور استاد کے ذریعے احادیث کو حاصل کرنے کا جو متوارث طریقہ تھا، سلفِ صالحین میں اس کو باقی رکھا ہوا ہے، اس کو ہم پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان دینی مدارس کے اندر یہ اور کہیں نہیں ملے گا۔ آپ کو میں کیا بتاؤں؟ میرے پاس پتا نہیں کہاں کہاں سے لوگ ٹیلی فون کرتے ہیں دنیا کے مختلف خطوں سے عرب ممالک سے کہ ہمیں کچھ آدھا گھنٹا دے دیجیے ٹیلی فون پر کہ ہم آپ کے سامنے حدیث پڑھیں۔ بھئی! کیوں پڑھو گے؟ حالاں کہ وہ عالم ہیں، خود پڑھے ہوئے ہیں، لیکن انھوں نے یونیورسٹیوں میں پڑھا، یونیورسٹیوں میں علمِ حدیث پڑھا، منتخبات پڑھ لیے، کچھ اس کے اندر کچھ احادیث کے مباحث پڑھ لیے، بات ختم ہو گئی، جب ان کو احساس ہوتا ہے کہ بھئی جو متوارث طریقہ چلا آتا ہے اس حدیث کو حاصل کرنے کا تو ان کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے تو بہت سے لوگ سفر کر کر کے آتے ہیں اور اب بھی متعدّد لوگ بڑی بڑی جماعتیں آتی ہیں، کیوں کہ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے تو آن لائن سب کچھ ہو جاتا ہے تو سو سو آدمیوں کی جماعتیں مختلف ملکوں میں وہ کہتے ہیں کہ جی ہمیں آپ شمائل پڑھا دیجیے تو شمائل مجھ سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں معنی۔۔۔ سب عرب ہیں، لیکن کہتے ہیں پڑھنا چاہتے ہیں، تاکہ ہم اس سلسلے اسناد میں داخل ہو جائیں اور یہ اس کی عظمت سمجھانے کے لیے یہ بات کی ہے کہ آج دورۂ حدیث کا آغاز کر رہے ہو تو اس کی عظمت سمجھو، اس کا جو مقام ہے اور جس وجہ سے یہ پڑھایا جاتا ہے، اس کو ذہن نشین کرو کہ استاذ کے سامنے جو حدیث بیٹھ کر پڑھو گے اس میں اور گھر میں مطالعہ کرو گے اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لہٰذا اس میں حاضری کا اہتمام بڑا ضروری ہے تو آپ اس دورۂ حدیث کی قدر کریں دنیا میں بہت کم رہ گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شاندار زندگی

ام نسیبہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس امت کے وہ خوش نصیب لوگ ہیں، جنھوں نے نبی علیہ السلام کا دیدار کیا اور ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کی صحبت پائی۔ در حقیقت یہ عشّاق کی ایک جماعت تھی جنہیں اللہ نے اس لیے چنا تھا کہ وہ محبوب کی اداؤں کو اپنائیں اور اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر کے اپنے بعد والوں تک پہنچائیں۔

سورۂ فتح کی آخری آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر اس طرح آیا ہے: ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ (اے مخاطب) تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے کہ آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔“

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً خلفائے راشدین معیارِ حق ہیں۔ یہ اصحابِ کبائر اگرچہ نبی کی طرح معصوم تو نہیں، مگر امت کے لیے نمونہ ہیں۔ وہ اپنے اخلاص اور حقیقی ایمان کی وجہ سے ان خرابیوں سے محفوظ تھے جو ایمان کے باوجود انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں اور جن کی وجہ سے آدمی ناکام ہو جاتا ہے۔

سورۂ توبہ میں صحابہ کرام کے دو طبقے بیان فرمائے ہیں۔ ایک سابقین اولین اور دوسرے جو بعد میں ایمان لائے۔ دونوں طبقوں کے متعلق یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ ان کے لیے جنت کا مقام و دوام مقرر ہے۔

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے واسطے روکا تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔“

اصحابِ رسول ﷺ نبی کے جانثاروں کی وہ جماعت تھی جو اللہ و رسول کے احکام کی عملی تفسیر تھے۔

اللہ کے لیے محبت: جنگِ اُحد میں جب کفار نے نبی علیہ السلام پر حملے کی پر زور کوشش کی تو چند نوجوانِ صحابہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ گئے، ان میں سے اکثر نے جام شہادت نوش کیا۔ ایک صحابی کو زخموں سے چور حالت میں دیکھا گیا، کسی نے پوچھا کہ آپ کو کیا چاہیے؟ انھوں نے کہا کہ میں آخری لمحے میں اپنے محبوب ﷺ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ ان کو اٹھا کر نبی علیہ السلام کے پاس لے آئے۔ انھوں نے جب چہرہ انور کو دیکھا تو آخری ہچکی لی اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ (صحیح مسلم)

اللہ کے لیے دشمنی: حضرت عبید بن جراح رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے دل میں اللہ و رسول ﷺ کی محبت اس حد تک مقدم تھی کہ ایک غزوہ میں لڑائی کے دوران ان کا سامنا اپنے باپ سے ہو گیا جو کفار کی جماعت میں شامل تھے تو انھوں نے دینِ اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنے باپ کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔

اللہ کی محبت میں خرچ کرنا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ہمیں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا، میرے پاس کافی مال تھا، میں نے سوچا آج میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا، چناں چہ میں نے آدھا مال صدقہ کیا۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا: اہلِ خانہ کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: ”مِثلُہٗ“ (اس کے برابر) اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی اپنا مال لے کر آئے۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا: ”مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ قَالَ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ“ (اہلِ خانہ کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا: ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں“) یہ سن کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”لَا اُسَابِقُكَ فِيْ شَيْءٍ اَبَدًا“ (میں تمہارے ساتھ کسی چیز میں مقابلہ نہ کروں گا)

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

اللہ کے لیے رک جانا:

ایک صحابی ایمان لائے اور کچھ عرصے صحبت نبوی ﷺ میں رہنے کے بعد گھر واپس گئے۔ وہاں ان کے کسی عورت کے ساتھ مراسم اور تعلقات تھے۔ وہ عورت ان سے ملنے کے لیے آئی۔ انھوں نے رخ پھیر لیا، وہ کہنے لگی: کیا بات ہوئی؟ وہ وقت بھی تھا جب تم میری محبت میں بے قرار ہو کر گلیوں کے چکر لگاتے تھے، مجھے ایک نظر دیکھنے کے لیے تڑپتے تھے۔ اب میں خود چل کر تمہارے پاس ملنے کے لیے آئی ہوں تو تم نے آنکھیں بند کر لیں تو فرمانے لگے کہ میں ایک ایسی ہستی کو دیکھ کر آیا ہوں کہ اب میری نگاہیں کسی غیر پر نہیں پڑ سکتیں۔ میں دل کا سودا کر چکا ہوں۔

ہم نے دیکھی ہیں وہ آنکھیں ساقی
جام مئے کی مجھے حاجت ہی نہیں

یہ تو چند واقعات تھے، ایسے ہزاروں واقعات ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان و عظمت بیان کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ اس حدیث کے ساتھ بات کو سمیٹتی ہوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے کسی کی بھی پیروی کرو گے تو فلاح پاؤ گے۔ دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں اپنے نبی ﷺ و اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

پلاسٹک سرجری کا حکم

سوال: کیا اسلام آرائشی سرجری کی اجازت دیتا ہے؟ اگر ہاں تو کن حالات میں؟ اگر کسی عضو میں نقص ہو تو کیا اس کو پلاسٹک سرجری کے ذریعے ٹھیک کیا جاسکتا ہے؟ بعض لوگ اور ڈاکٹر اس کو آرائشی سرجری کا جواز بناتے ہیں کہ اس سے نفسیاتی طور پر مریض ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کیا اس سے جواز ثابت ہو سکتا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ انسان اپنے اعضائے جسم کا مالک نہیں ہے کہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگرچہ حُسن و جمال میں اضافے کے لیے خارجی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہے، لیکن جسم کے اعضا یا ان کی ہیئت میں کوئی تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے مصنوعی طور پر بال لگانا یا خوب صورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے کو ناجائز، قابلِ لعنت اور اللہ تعالیٰ کی خلقت (بنائی ہوئی چیز) میں تغیر قرار دیا ہے۔

لہٰذا عام حالات میں کسی ضرورت کے بغیر محض زیب وزینت، حُسن میں اضافہ یا حُسن کو زیادہ عرصہ برقرار رکھنے کے لیے انسانی جسم میں قطع وبُرید کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، البتہ اگر پیدائشی طور پر یا کسی مرض اور حادثے کی وجہ سے جسم میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا ہو جو بدہیئت اور بدنما معلوم ہوتا ہو، نیز وہ عیب عمر کا طبعی تقاضا بھی نہ ہو اور ایسے عیب کے ازالے کے لیے سرجری کے علاوہ کوئی اور صورت بھی ممکن نہ ہو تو اس کے لیے بقدرِ ضرورت پلاسٹک سرجری کی گنجائش ہے، چناں چہ اگر پیدائشی طور پر انسانی جسم میں کوئی ایسا عیب ہو جو عام قانونِ فطرت سے ہٹ کر ہو، مثلاً: ہونٹ یا تالو کا کٹا ہوا ہونا، آنکھوں میں ٹیڑھا پن، ناک یا ہاتھ پاؤں کا ٹیڑھا ہونا یا ہاتھ پاؤں میں انگلیوں کا زیادہ ہونا یا آنکھ کی پُتلیوں کا غیر مستحکم ہونے کی وجہ سے آنکھ پر گرے رہنا وغیرہ، تو ایسی حالت میں پلاسٹک سرجری کی گنجائش ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے اعضاء کو اپنی فطری حالت کے موافق کرنا ہے جو کہ جائز ہے، نیز پلاسٹک سرجری میں اگر انسان اجزا سے انتفاع کے بغیر عیب دور نہ ہو سکتا ہو تو ایسی صورتِ حال میں مریض کے اپنے بدن کا کوئی جزو اسی کے جسم کے متاثرہ حصے میں استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے، تاکہ وہ طبعی حالات کے موافق ہو جائے، بشرطیکہ جس جگہ سے جلد یا گوشت لیا ہے وہ جگہ صورت اور عمل کے لحاظ سے متاثر نہ ہو۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بعض لوگ اور ڈاکٹر حضرات یہ کہتے ہیں کہ سرجری سے مریض نفسیاتی طور پر ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس بات کو آرائشی سرجری کے لیے جواز بناتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نفسیاتی اور روحانی اذیتیں بعض اوقات جسمانی اذیتوں سے زیادہ اذیت اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے، تاہم یہاں پر اس کا اعتبار اس وقت کیا جائے گا جب جسم کا کوئی عیب اپنی بدنمائی، بدشکلی اور بدہیئتی کی وجہ سے نفسیاتی تکلیف اور اذیت کا باعث ہو اور انسان اس عیب کی وجہ سے احساسِ کم تری میں مبتلا ہو گیا ہو اور اس کے لیے دوسروں کے ساتھ رہن سہن برقرار رکھنا مشکل اور ایک آزمائش بن گیا ہو تو ایسی صورت میں اسے حاجت کے درجہ میں شمار کیا جاسکتا ہے، چناں چہ اگر اس عیب کا ازالہ آپریشن اور سرجری کے بغیر ممکن نہ ہو تو سرجری کی اجازت ہو گی، البتہ نفسیاتی اذیت کو جواز بنا کر بغیر ضرورت کے محض زیب وزینت، حُسن میں اضافہ یا حُسن کو زیادہ عرصہ برقرار رکھنے کے لیے سرجری کرانے کی اجازت نہیں۔

بالغ اولاد کی شادی کے اخراجات والدین کے ذمہ ہیں یا نہیں؟

سوال: اگر بالغ اولاد شادی کے اخراجات کا تحمل نہیں کر سکتی ہو تو کیا ان کی شادی کروانا والدین کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ اگر نہیں کروائیں اور اولاد کسی برائی کا شکار ہو تو اس کا گناہ والدین کو ہو؟ یا پھر بالغ اولاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود خرچہ کا انتظام کریں اور جب تک انتظام نہ ہو، صبر کریں؟ براہِ کرم تفصیل سے جواب عنایت فرمادیں!

جواب: واضح رہے کہ بیٹے کے بالغ ہونے کے بعد (اگر وہ معذور نہ ہو اور کمانے کے قابل ہو تو) اس کا کسی بھی قسم کا خرچہ شرعاً والدین کے ذمہ نہیں رہتا، چناں چہ بیٹے کے بالغ ہونے کے بعد اس کی مناسب جگہ پر شادی کی فکر و کوشش کرنا تو والدین کی ذمہ داری بنتی ہے، لیکن شادی کا خرچہ اور بیوی کا نفقہ والدین کے ذمہ نہیں ہے۔ اس کا انتظام لڑکے کو خود کرنا ہو گا اور اگر شادی کی فضول اور غیر ضروری رسموں اور فضول خرچی سے بچا جائے تو شادی کا خرچہ اتنا زیادہ اور مشکل نہیں ہے، جتنا آج کل سمجھ لیا گیا ہے، اس لیے اگر والدین کی استطاعت ہو تو ان کو بطورِ تبرّع یہ خرچہ اٹھانا چاہیے، یہ ان کے لیے باعثِ اجر و ثواب ہو گا، لیکن اگر والدین کسی وجہ سے بیٹے کی شادی کا خرچہ نہ اٹھا سکیں تو بیٹے کے گناہ میں مبتلا ہونے کا وبال ان پر نہیں ہو گا۔ بیٹا خود کوشش کر کے حلال مال کمانے کی کوشش کرے، تاکہ شادی کا ضروری خرچہ اور بیوی کا نفقہ اٹھا سکے اور جب تک اس کا انتظام نہ ہو سکے تو گناہ سے بچنے کے لیے حدیث میں روزہ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

البتہ لڑکی کی شادی سے پہلے کے تمام اخراجات والد کے ذمہ ہیں، اس لیے لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد اس کی شادی کروانا اور شادی کے ضروری اخراجات اٹھانا عرفاً والدین کے ذمہ ہے۔

امراض معدہ

حصہ دوم

حکیم شمیم احمد

پریشانی سے معدہ خراب

چند سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایک مشہور طبیب کو جو گھر سے ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر تھا، یہ اطلاع ملی کہ اس کے دونوں بچے سنگین مرض ”خناق“ میں مبتلا ہو کر ہسپتال میں داخل کر دیے گئے ہیں اور ان دونوں کی حالت نازک ہے۔ یہ طبیب اس وقت بذریعہ موٹر گاڑی سفر کر رہا تھا، اس کی حالت پریشانی، فکر اور خوف کے سبب ناگفتہ بہ ہو گئی۔ یہ طبیب گو کہ اس اطلاع کے ملنے سے قبل بالکل ٹھیک تھا، اب ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتا تھا اور جو بھی کھاتا قے کر دیتا تھا، کیوں کہ اس کا معدہ سخت حالتِ انتشار کا شکار تھا۔

حالات اور ہاضمہ

ایک تاجر کو کاروبار میں بہت خسارہ ہوا کہ وہ جی چھوڑ کر بیٹھ گیا، اس کو یہ احساس مارے ڈال رہا تھا کہ اب اس عمر میں خسارے کو پورا کرنا ممکن نہیں ہے، نتیجتاً اس کو سوءِ ہضم کی شکایت پیدا ہو گئی، یعنی معدہ کے منہ کی بندش ہو گئی اور بالآخر معدہ اور آنتوں سے متعلق جس قدر شکایت ہو سکتی تھی، ان کا ظہور ہو گیا، بھوک کم ہو گئی، خوراک کی مقدار گھٹ گئی، غذا کا سفر معدہ سے آگے کی طرف سست ہو گیا، غذا کی کمی کے ساتھ وزن بھی کم ہونا شروع ہو گیا۔ نتیجتاً خون کی کمی اور دوسری ضروری اجزا کی جسم میں قلّت پیدا ہو گئی۔ اس مرحلے پر یہ شخص سخت خوف زدہ ہو گیا اور وہ اس خیال میں مسلسل پریشان رہنے لگا کہ اس کو سرطان کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ اس کے ذہن میں اس بات کا ذرا سا بھی تصور نہیں تھا کہ ان شکایات کا خسارہ تجارت سے بھی کوئی تعلق رکھتا ہے، بلکہ سرطان کے متعلق اس کا خیال رفتہ رفتہ یقین میں تبدیل ہو گیا کہ کسی اور تکلیف کے سبب اس قدر حالت غیر نہیں ہو سکتی، اس طرح ”یک نہ شُد دو شُد“ یعنی یہ شخص دو پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ ایک کاروباری پریشانی دوسرا سرطان کا خوف۔۔۔ اس مرحلے پر اس نے طبّی مشورہ کیا، جب طبیب نے تفصیلی حالات معلوم کیے اور معاینہ اور تفتیش کے بعد اسے یہ بتلایا کے اسے کوئی قابلِ ذکر مرض نہیں ہے اور سرطان کا تو شائبہ تک نہیں ہے تو اس شخص کو پہلے تو یقین نہیں آیا اور جب قدرے تامّل سے یہ بات اس کی سمجھ میں آئی تو اس پر فوری اطمینان کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس شخص کو مزید بتلایا گیا کہ ان تمام عوارض کی بنیاد اس کے اپنے اعصاب میں پوشیدہ ہیں اور اس کا سبب اس کا وہی خوف، فکر اور پریشانی ہے جو کاروبار میں گھاٹے کی بنا پر جان کا جنجال ہو گئی ہے۔ اس مریض کو چند معمولی ادویات دی گئیں اور غذا کے متعلق چند ہدایات دی گئیں، یوں وہ شخص بالکل صحت یاب ہو گیا۔

چہل قدمی سببِ اصلاحِ ہاضمہ

چہل قدمی سوءِ ہضم کی اصلاح کے لیے نہایت ضروری ہے، کیوں کہ ورزش نہ صرف ہاضمِ غذا، قاسرِ ریاح اور مُلیّنِ اجابت ہے، بلکہ مفرّحِ قلب و دماغ، مُسکّنِ اعصاب اور مقوّیِ جسم بھی ہے، اس کے علاوہ تفریح کرنا اور تلخ ماحول سے چند دنوں کے لیے رخصت اور تبدیل آب و ہوا گم شدہ صحت کو بحال کر دیتی ہے۔

طبّی مشورہ

ایک شخص کھانا کھاتے ہی موٹر گاڑی کے طویل سفر پر روانہ ہو گیا اور دورانِ سفر جو کچھ کھانا کھایا تھا، وہ بغیر ہضم ہوئے ہی قے کر دیا اور اس کے بعد بھی طبعیت میں گرانی رہی۔ طبّی مشورے پر شبہ ہوا جو بعد میں صحیح ثابت ہوا کہ اس شخص کے قے کی وجہ حادثے کی فکر اور پریشانی تھی، جو اس شخص کو گاڑی چلانے کے سبب کچھ اپنے اور سواریوں کے متعلق تھی، اس فکر نے معدہ کی نچلی سطح پر بندش پیدا کر دی تھی۔

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

فتح مکہ کے روز مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد آں حضرت ﷺ نے خواتین کو بیعت کرنا شروع کیا۔ آپ ﷺ جبلِ صفا پر تشریف فرما تھے اور آپ سے ذرا نیچے حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے خواتین کو بیعت کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے احکامات ان تک پہنچا رہے تھے کہ اتنے میں ابوسفیانؓ کی بیوی ہند بنتِ عتبہ وہاں آئی، اس نے ڈر سے اپنا منہ چھپا رکھا تھا کہ کہیں آں حضرت ﷺ اسے پہچان نہ لیں، کیوں کہ اس نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمھیں بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی تو حضرت عمرؓ نے عورتوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، پھر آں حضرت ﷺ نے فرمایا اور چوری نہیں کرو گی تو اس پر ہند بولی کہ ابوسفیان کنجوس آدمی ہیں، لہٰذا میں چوری نہ کرنے پر آپ کو بیعت نہیں دوں گی، کیوں کہ میں اپنے شوہر کے پیسے چراتی ہوں۔

اس پر ابوسفیانؓ بولے جو تمہارے ہاتھ لگ جائے وہ تمہارے لیے حلال ہے تو رسول اللہ ﷺ بے ساختہ ہنس پڑے اور ہند کو پہچان لیا اور فرمایا تم ہند ہو ناں؟ تو وہ بولی جی ہاں اور جو کچھ گزر چکا، اسے درگزر کر دیں اور مجھے معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائیں، پھر آں حضرت ﷺ نے فرمایا اور زناکاری نہیں کریں گی تو وہ بولیں کیا کوئی شریف زادی زناکاری کر سکتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم نہیں، شریف زادی زنا نہیں کر سکتی، پھر فرمایا اور اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گی تو وہ بولیں: بچپن میں ہم نے انھیں پالا پوسا اور بڑے ہونے کے بعد آپ نے انھیں قتل کر دیا تو آپ جانیں اور وہ جانیں (کیوں کہ ان کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان غزوۂ بدر کے موقع پر مارا گیا تھا) یہ سن کر حضرت عمرؓ ہنستے ہنستے دہرے ہو گئے اور آپ ﷺ کے لبوں پر بے ساختہ تبسّم بکھر گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا اور جھوٹ نہیں بولیں گی تو وہ بولیں: قسم خدا کی! جھوٹ تو بہت برا فعل ہے اور آپ تو ہمیں اچھے اعمال کا ہی حکم دیتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور کسی نیکی کے کام میں رسول ﷺ کی معصیت نہیں کریں گی تو وہ بولیں: قسم خدا کی! ہم یہاں پر اپنے دل میں آپ کے لیے معصیت کا تصور لے کر نہیں بیٹھے اور پھر جب اپنے گھر واپس گئیں تو اپنے بتوں کو توڑتے ہوئے کہنے لگیں: ہم تمہارے دھوکے میں مبتلا تھے۔

سوءِ مزاج اور سوءِ ہضم

ایک نوجوان آدمی کی بیوی شادی کے بعد بھی مدرسہ میں پڑھاتی رہی۔ شادی کے چند سال بعد تک ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دونوں کام پر جاتے تھے اور جب رات کو تھکے ہارے آتے تو کھانا بھی خود ہی تیار کرنا پڑتا تھا، اس کے علاوہ گھر کی صفائی بھی اور بعض اوقات گھر کے کپڑے بھی دھونا پڑتے تھے، ان کے پاس آرام و سکون اور تفریح کے لیے کوئی وقت نہیں تھا۔ اس کے نتیجے میں بے چینی بے زاری اور چڑچڑاپن پیدا ہو گیا تھا۔ بالآخر شوہر زیادہ عرصے تک اس غیر فطری طرزِ زندگی کو برداشت نہیں کر سکا اور نتیجتاً سوءِ ہضم میں مبتلا ہو گیا اور یہ بدہضمی راسخ ہوتی گئی۔ میاں بیوی میں ہر وقت چپقلش، رنجش، بحث اور تکرار رہنے لگی۔ اس مرحلے پر شوہر نے طبّی مشورہ کیا، لیکن تفتیش پر کسی خرابی کا پتا نہیں چل سکا، بہرحال! اس شخص نے خود ہی یہ بات مان لی کہ اس کی تکالیف کا سبب اس کا اپنا مزاج اور غیر فطری طرزِ زندگی ہے۔

قبض کی اصلاح

جن لوگوں کو مستقل قبض رہتا ہے، ان میں بھی ریاح بکثرت پیدا ہوتی رہتی ہے، لیکن ان کا علاج قبض کشا ادویات نہیں ہے، بلکہ قبض کی اصلاح کے لیے یہ ضروری ہے کہ غذا میں سبزیاں، بھوسی اور پھل زیادہ کھائے جائیں اور پانی پیاس سے زیادہ پیا جائے جو دس بارہ گلاس روزانہ سے کم نہ ہو۔ پھلوں میں خصوصی طور پر پپیتا، انجیر اور منقیٰ مُلیّن دافع قبض ہیں۔ ریاح کا ایک سبب کھانے کے ساتھ پانی پینا ہے، بعض لوگوں کی عادت ہوتی کہ پانی پی پی کر کھانے کو نیچے اتارتے ہیں جو کہ غلط عادت ہے۔ پانی پینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پانی یا تو کھانے سے نصف گھنٹہ قبل پیا جائے یا کھانے کے دو گھنٹے بعد۔

معالج کی بات مان لینی چاہیے

رخصت پر جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر ضروری بات کو اب تک ملتوی کیا جاتا رہا ہے، اس بات کی بھی پوری کوشش کی جائے کہ اپنے آس پاس کا ماحول خوش گوار اور خوش کن رکھا جائے، کیوں کہ اسی میں تمام اہلِ خانہ کا فائدہ ہے اور کام بھی بحسن خوبی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان اصلاحی تدابیر سے اکثر عوارض کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اگر کچھ کمی رہ جائے تو طبیب کی معمولی دوا بھی بڑا سہارا بن جاتی ہے۔ آخر میں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ اگر آپ کا معالج معاینہ اور تفتیش کرنے کے بعد آپ کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ کوئی اندرونی مرض نہیں ہے تو اس کی بات مان لینی چاہیے۔

کسی کا دلچسپ قول ہے جو طبّی اعتبار سے درست ہے کہ ”صبح کا ناشتا شہزادوں کی طرح، دوپہر کا کھانا رئیسوں کی طرح اور رات کا کھانا غریبوں کی طرح ہونا چاہیے۔“

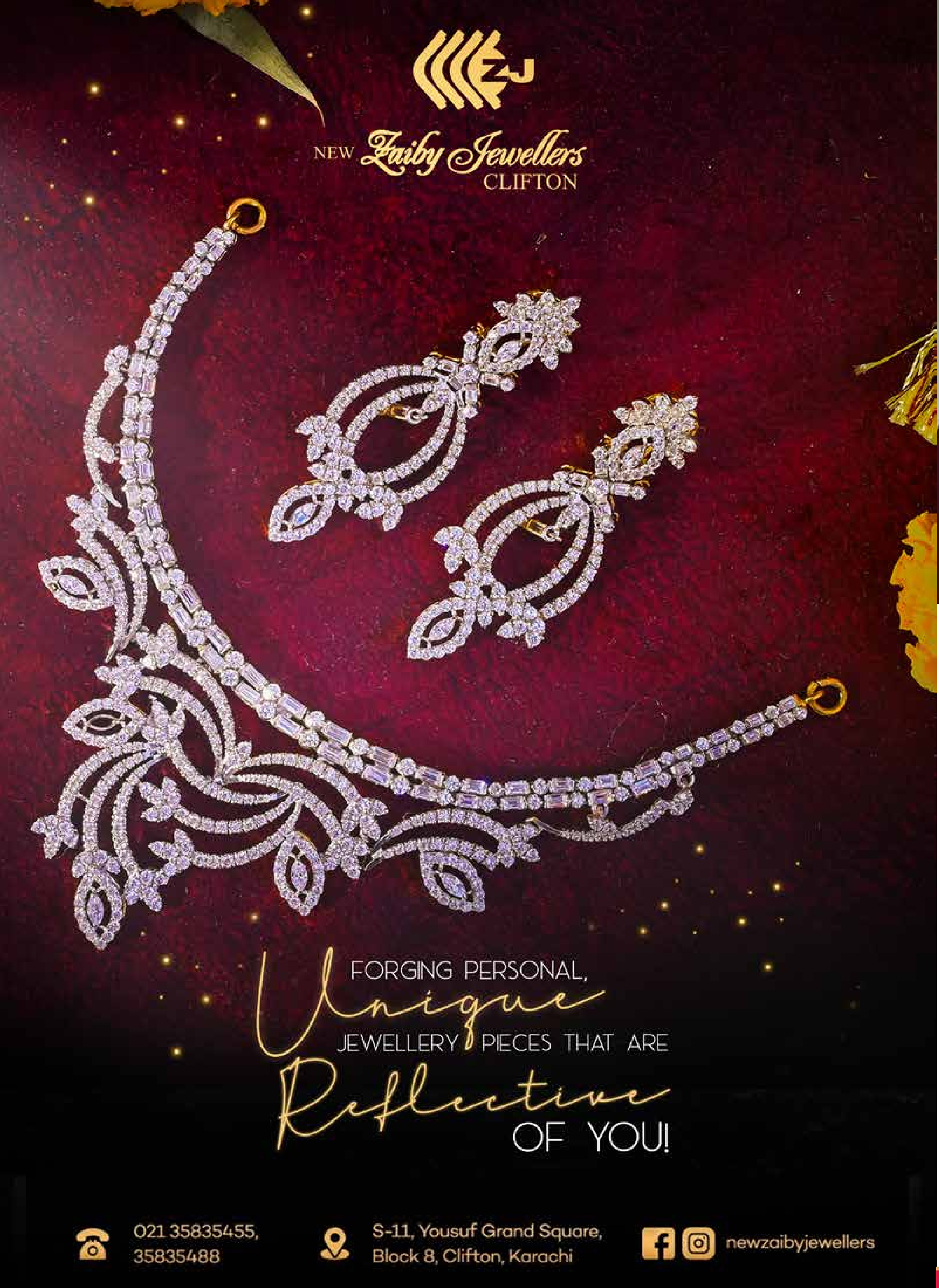

تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

پہلا حصہ

حفصہ فیصل

”ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تو دے دیں خدا تعالیٰ نے اب تیسری بیٹی بھابھی کی گود میں ڈال دو، ان کی بھی مراد بر آ جائے۔“ رابعہ اپنی بہن کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

”احسن سے مشورہ کر لو۔۔۔“ نجمہ گم صم لہجے میں بڑبڑائی۔

”کر لو۔۔۔ احسن بھائی منع کرنے والے لگتے نہیں۔“ اصل ضبط تمہیں کرنا ہوگا۔

سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ویسے آج کے دور میں تین بیٹیوں کو پالنا اور پھر ان کی شادیوں کی فکریں، بڑے کٹھن مرحلے ہیں، ایک بھائی بھابھی کو دے دو گی تو وہ اکلوتی بنا کر ناز بھی اٹھائیں گے، تمہارے احسان مند بھی رہیں گے اور شادی بھی اچھے طریقے سے کریں گے۔ تمہارے پاس تو تیسری بن کر بڑی بہنوں کی اترن پر ہی پلے گی اور رلتی ہی رہے گی۔

رابعہ نے انتہائی رسان سے بہن کی ذہن سازی کی۔

آخر فیصلہ ہو ہی گیا۔ نجمہ نے اپنی ہونے والی تیسری بیٹی کو اپنی بھابی نورین کی گود میں ڈال دیا۔

نورین اور ارسلان کی شادی کو 15 سال ہو چکے تھے، مگر رب تعالیٰ کی طرف سے یہ خوش خبری نہ مل سکی تھی، دونوں مایوس تو نہ تھے۔ لیکن ایک بے بسی چہرے پر آ جاتی، جب کسی کے ہاں بچے کی ولادت دیکھتے۔ نجمہ کے ہاں جب چوتھے بچے کی پیدائش متوقع تھی، نورین نے اس کی خوب خدمت کی تھی، جب کہ نجمہ کو پورا یقین تھا کہ اس بار جبران کا بھائی ہی دنیا میں آئے گا، لیکن بات اس کے برعکس ہوئی اور تیسری بیٹی کی پیدائش نے نجمہ کو دلبرداشتہ کیا تھا، مگر وہ خاموش تھی۔

اولاد تو خدا تعالیٰ کی دین ہے، بیٹی ہو یا بیٹا اس پر کیا شکوہ کرنا!

اب نجمہ نے رابعہ آپی کی باتوں پر خوب خوب سوچ بچار کیا اور پھر احسن کو بھی قائل کر لیا، اس طرح ایک ہفتے کی ننھی پری نورین بھابھی کی گود میں ڈال دی گئی۔

ان کو تو گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔ ارسلان اور نورین نے اس کا نام ”جویریہ“ یعنی (پھولوں کی ٹوکری) رکھا اور پھر پھولوں کی طرح ہی اس کی پرورش کرنے لگے۔

نجمہ بھی کچھ دنوں میں سنبھل گئی، اس کے پاس پہلے ہی تین چھوٹے چھوٹے بچے موجود تھے، جن کی مصروفیت میں لگنے سے اسے چند دن لگے جویریہ کو بھولنے میں، ویسے بھی وہ بیٹی کی خواہش نہیں رکھتی تھی، اس لیے بھی وہ جلد ہی اس بات پر صبر کر گئی اور پھر جویریہ بھائی کے گھر ہی تھی، کون سا دور تھی، جب جی چاہا اسے دیکھ لیتی۔

جویریہ کی آمد نے ارسلان کے گھر میں گویا روشنی بکھیر دی تھی۔ نورین اور ارسلان جویریہ کو بہت محبت سے پروان چڑھا رہے تھے۔ پلک جھپکتے دو سال گزر گئے۔ جویریہ کی معصوم شرارتوں اور لاڈ سے ماما بابا کی پکار سے گھر گونجتا رہتا۔ اولاد کی نعمت واقعی ربِّ کریم کا بندوں پر بہت بڑا انعام ہے۔ انہی دنوں نورین گھر کے قریبی مدرسے میں قرآن پڑھانے کے سلسلے میں مدرسے سے جڑ گئی۔

جویریہ تین سال کی ہو چکی تھی اور اسے ایک چھوٹے اسکول میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ صبح سویرے نورین جویریہ کو اسکول اور ارسلان کو آفس روانہ کر کے ایک گھنٹے کے لیے مدرسے جانے لگی، اسی ایک گھنٹے نے اس کی زندگی کی کایا پلٹ دی اور وہ پردے اور دین کی اہمیت کو سمجھنے لگی۔

آہستہ آہستہ نورین میں تبدیلی آنے لگی اور اس تبدیلی کے اثرات جویریہ پر بھی پڑے۔

نورین جویریہ کے لیے چھوٹے چھوٹے اسکارف لے آئی۔ اب جویریہ جہاں کہیں بھی جاتی اسکارف اوڑھ کر جاتی۔ نازک سی جویریہ اسکارف کے ہالے میں ایک ننھی پری محسوس ہوتی۔ دھیرے دھیرے سر ڈھانکنا اور مختلف چھوٹے چھوٹے نبوی امور نورین کے گھر کے معمولات میں شامل ہو گئے۔ جویریہ بھی اپنی ممانی جس کو امی سمجھتی تھی کے رنگ میں رنگنے لگی۔ ارسلان بھی نورین کی اس تبدیلی سے خوش ہوا اور اس نے بھی اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا۔

❖

آج نورین نے اپنے گھر تمام سسرالی رشتہ داروں کی دعوت رکھی تھی اور صلہ رحمی کا یہ درس اسے مدرسے سے ہی ملا تھا۔

یوں تو نورین مہمان نواز تھی، لیکن مہمان نوازی کو بطور اللہ کی رضا کے لیے کرنا، اس نے مدرسے جا کر سیکھا تھا اور آج اس دعوت کا مقصد بھی صلہ رحمی اور اللہ کی رضا تھا۔

خاندان میں گنے چنے افراد ہی تھے۔ ایک دیورانی اور دو نندیں۔ نورین نے اہتمام سے ان کے لیے کھانا بنایا۔ شام میں مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ نورین اور ارسلان نے انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ سب کو خوش آمدید کہا، مگر اس بار دعوت میں ایک تبدیلی تھی، مردوں کو الگ کمرے میں اور خواتین کو الگ کمرے میں بٹھانے کا انتظام دیکھ کر نجمہ اور رابعہ کے منہ بن گئے، ساتھ ہی نجمہ جویریہ کو ستاروں سے سجا اسکارف اوڑھے دیکھ کر پریشان ہوئے جا رہی تھی۔

”اِدھر آؤ! اتنی گرمی میں یہ کیا سر پر باندھا ہوا ہے؟“ نجمہ نے اِدھر اُدھر بھاگتی جویریہ کے سر سے اسکارف اتار پھینکا۔

”نہیں پھپھو! یہ نہیں اتارتے، ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور شیطان سر پر سوار ہو جاتا ہے۔“ جویریہ نے آنکھیں مٹکا کر جواب دیا اور پھر سے اپنا ننھا سا چمکتا اسکارف اٹھا کر سر پر جمانے لگی۔

نجمہ اور رابعہ ہکا بکا بچی کے عمل کو دیکھے گئیں۔

بقیہ صفحہ 22 پر

شکوہ نہ کر

آخری حصہ

شمائلہ نورین قمر

حمیرا نے اپنے والدین کو بھی کئی بار تمام حالات سے آگاہ کیا، مگر انھوں نے بھی ہمیشہ صبر اور برداشت کی تلقین کی۔ اپنا وجود اس کو بے انتہا کمزور محسوس ہونے لگا۔ آخر کار ہار مان کر، حمیرا نے نہ صرف اپنی ذات کی مکمل نفی کر دی بلکہ انا، خودداری اور عزتِ نفس کو عیاشی سمجھ کر الوداع کہہ دیا۔

سالوں بعد جب حمیرا تکلیف دہ رویوں کی عادی ہو چکی تو ساس قدرے نرم پڑ گئیں۔ بیماری نے ان کو بستر پہ ڈالا تو سارا طنطنہ، شرمندگی میں بدل چکا تھا۔

ہر کام اب حمیرا کی مرضی سے ہونے لگا۔ وہ مرکزی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ ہر آئے گئے کے سامنے تعریف ہوتی۔ تمام سسرال والے اس کے اخلاق اور صبر کے گرویدہ ہو چلے تھے۔

مگر کچھ چیزوں کی اہمیت وقت گزرنے کے بعد پر اثر نہیں رہتی۔ حمیرا ایک غازی تو تھی، مگر ایک ان دیکھی دیوار جوان کے اور حبیب کے درمیان حائل تھی، ٹوٹ نہ سکی۔ اس بے حسی اور خود اذیتی کو وقت کا مرہم بھی بھر نہ پایا۔ نہ وہ حبیب سے کوئی آسانی مانگتی یا عام عورتوں کی طرح فرمائشیں کرتی، نہ حبیب ہر کام میں اس کے بے جا ہلکان ہونے پہ ٹوکتے۔

اب اپنی زندگی کے خوب صورت ترین لمحات صرف گھر بچانے کی تگ و دو کی نذر کرنے کے بعد وہ شبرین کو پہلے ہی اتنا ماہر کر دینا چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی تمام تیاریوں کے ساتھ زندگی کو برتنے کا سلیقہ سمجھ سکے۔ ایک آباد دل کے ساتھ شادی شدہ زندگی کے تقاضے پورے کرے۔

مگر شبرین جو بے انتہا با اعتماد تھی، ہر چیز کو الگ ہی نظریے سے حل کرنے کی عادی تھی۔

حبیب صاحب نے اپنی بیٹی کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اسے حیرت ہوتی کہ ان کے معاملے میں سنگ دلی اور تنگ دلی کا مظاہرہ کرنے والے حبیب، بیٹی کے معاملے میں اتنے وسیع القلب کیسے تھے؟ شبرین بڑوں کی عزت ضرور کرتی تھی، مگر کسی دقیانوسی عمل کا حصہ بننا تو دور کی بات، سامنے والے کو غلط بات پر دلیل کی روشنی میں لاجواب کر دیتی تھی۔

زبان بندی جیسے اوصاف کو کمزوری سمجھتی تھی۔ اپنا حق لینا بھی جانتی تھی اور دوسروں کے حقوق سے بھی واقف تھی۔

حمیرا کو لگتا تھا کہ یہ تمام خوبیاں ایک بہو کے لیے خامیاں سمجھی جاتی ہیں۔

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ تیاریوں کے ساتھ ساتھ حمیرا کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

انہی دعاؤں سے بھرپور اور لرزتے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ، وقت کی دھڑکنیں بھی مقابلے پہ تھیں۔ تمام انتظامات حبیب صاحب نے بہترین طریقے پر کیے تھے۔ کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی تھی۔ شبرین کی شادی خاندان کی سب سے بہترین شادی قرار پائی۔ کیا بڑے کیا بچے، سب نے خوب مزے کیے، رات گئے محفلیں جمتیں، چائے کافی کے دور چلتے۔ حمیرا کے اخلاق کی وجہ سے سب نے بلا جھجک آنا جانا کیا۔ بالآخر تمام تقاریب بخیر انجام پائیں۔ ولیمے کے چند روز بعد شبرین اسلام آباد چلی گئی۔

❖

حمیرا سارا دن ایک کمرے سے دوسرے کمرے بوکھلائی پھرتی۔ اتنی رونق کے بعد اچانک بے انتہا سناٹا ہو گیا تھا۔ کبھی زیادہ دل گھبراتا تو مصطفیٰ کے پاس آ کر بیٹھ جاتی۔ وہ بے چارا امتحان کی تیاری کے باوجود وقت دینے کی کوشش کرتا۔ شادی کی مصروفیات کی وجہ سے اس کی پڑھائی کا کافی حرج ہو چکا تھا۔ وہ وہاں سے بھی اٹھ کھڑی ہوتی۔

شبرین سے صبح شام بات ہوتی۔ ویڈیو کال بھی ہوتی، مگر نہ جانے کیوں اداسی اور خالی پن ختم نہیں ہوتا۔ شاید یہ اداسی ہر بیٹی کی ماں کے نصیب میں ہے۔

پہلے اسے یہ لگتا کہ شبرین اس کے بغیر گزارا نہیں کر پائے گی، لیکن دراصل بیٹی کتنا بڑا سہارا تھی، اب محسوس ہو رہا تھا۔ کبھی ہنسی مذاق سے اسے بلاوجہ کے تفکرات سے باہر نکالتی، کبھی اس کی کمزور شخصیت کو سہارا دیتی ہوئی مضبوط شبرین، اس کے لیے کتنی زیادہ ضروری تھی۔

”تمہارے امتحان کب ختم ہو رہے ہیں مصطفیٰ؟“ حبیب صاحب نے کھانے کے دوران پوچھا۔

”پاپا دو پیپر رہ گئے ہیں۔ بس سولہ کو آخری ہے۔“

”ٹھیک ہے تیاری کر لو، ہم سترہ یا اٹھارہ تک اسلام آباد جائیں گے۔“ انھوں نے حمیرا سے کہا۔

”شبرین سے ملیں گے اور تھوڑا گھوم پھر بھی لیں گے۔ تمہاری پرانی فلموں کی ہیروئن جیسی اداس شکل دیکھنا، دن بدن مشکل ہوتا جا رہا ہے۔“

”آپ کو تو اپنی بیٹی کے رنگ ڈھنگ معلوم ہی نہیں جیسے۔ پتا نہیں کیا کر رہی ہو گی؟“

”بات ہوتی تو ہے روز، اب جا کر اپنی آنکھ سے بھی دیکھ لینا۔“ حبیب صاحب نے بات ہمیشہ کی طرح چند لفظوں میں ختم کی۔

تحائف سے لدے پھندے، جب وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پر اترے تو خوب زوروں کی بارش ہو رہی تھی، شبرین اور عماد انھیں لینے آئے تھے۔

شبرین انھیں دیکھ کر چہک رہی تھی۔ چہرے پر بہار کے رنگ تھے۔

گھر پہ سب بہت خوشی سے ملے۔ خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ حمیرا نے دیکھا شبرین نے کئی بار عماد سے مدد لی۔ باورچی خانہ سمیٹنے میں تو ساس بھی لگ گئیں۔ کھانا بھی ساس بہو نے مل جل کر بنایا تھا۔

سارے بڑے تو کھانے کے کچھ دیر بعد سونے چلے گئے، لیکن شبرین، عماد اور مصطفیٰ نے رات گئے تک محفل سجائے رکھی۔

حمیرا حسبِ معمول فجر میں اٹھ گئیں۔ ماہ جبیں، شبرین کی ساس پودوں کو پانی دیتی ہوئی نظر آئیں۔ ”السلام علیکم بھابھی“

”وعلیکم السلام۔۔۔۔ حمیرا ٹھیک سے نیند آئی؟“

”اللہ کا شکر اچھی نیند آئی۔“

”اچھا۔۔۔ اگر حبیب بھائی بھی اٹھ گئے ہیں تو ناشتا بنا دیتی ہوں۔“

”آپ کیوں زحمت کریں گی شبرین کو اٹھا لیتے ہیں۔“ حمیرا کو سمدھن سے خدمت لینا مناسب نا لگا۔

”نہیں بچے رات کو کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اب اتنے دنوں کے بعد بھائی سے ملی تھی ناں! فجر پڑھ کر سوئے ہیں۔ اٹھیں گے تو ناشتا کر لیں گے، ہم آپ کر لیتے ہیں۔“ انھوں نے سادگی سے کہا۔ ”چلیں! ہم مل کر بنا لیتے ہیں۔“

شبرین کا رویہ حمیرا کو شرمندہ کر رہا تھا۔

کیا تھا جو جلدی اٹھ جاتی۔ حمیرا نے ماہ جبیں کے چہرے پر ناراضی کے رنگ ڈھونڈنے کی

کوشش کی، مگر وہاں تو ایسا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔
وہ لوگ دو دن وہاں رہے۔ متوازن اور پر خلوص گھر کی زندہ مثال، حمیرا نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ ہر چھوٹا بڑا معاملہ باہمی مشورے کے ساتھ آسانی سے طے ہو جاتا۔ والدین نے عماد کی بھی بہترین تربیت کی تھی۔
شمالی علاقہ جات کی سیر کے بعد، اپنی زندگی کے حسین دن گزار کر وہ واپس آ رہے تھے۔ حمیرا کو اپنا وجود پھول جیسا ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ تمام تفکرات ذہن سے نکل گئیں۔ اس کی بیٹی بہت عمدہ قسمت لے کر آئی تھی۔ اس کا دل اپنے رب کے حضور تشکر سے سجدہ ریز تھا۔
وہ جہاز کی کھڑکی کے باہر اون کے گالوں جیسے بادلوں کو مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔
اس کا ہاتھ اچانک ایک مضبوط گرفت میں آیا، اس نے ساتھ بیٹھے حبیب کو دیکھا۔
”حمیرا! کچھ باتیں انسان کو دیر میں سمجھ میں آتی ہیں اور سمجھ کر بھی انا کے بت اس کو جھکنے نہیں دیتے۔ ہو سکے تو ان برے دنوں کو، میری نادانیوں کو معاف کرنا اور اپنے دل سے انھیں بھلانے کی کوشش کرنا۔ میں نے شبرین کی تربیت میں ان تمام کمزوریوں کا خیال رکھا ہے، جو میں نے تمہارے اندر محسوس کی تھیں اور مصطفٰی کی تربیت میں اپنی خامیوں کو مدِّ نظر رکھا۔ شکر ہے مجھ گناہ گار کو رب نے سرخرو کیا۔“ لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئے۔
”بندہ بشر ہوں اور بہت کمزور ہوں، بہت سا وقت جو یادگار بن سکتا تھا، اب عمر بھر کا پچھتاوا ہے۔ ہاں البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اب جو ہماری زندگی ہے، ان شاء اللہ اس میں تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا ہوا پاؤ گی۔“
حمیرا نے دوبارہ بادلوں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، ماضی کے کبھی ختم نہ ہونے والے تمام شکوے، اپنی ذات کی تذلیل، گرم قطروں کی صورت اس کی آنکھوں سے بہ نکلی۔
یکایک حمیرا کو اپنے ہاتھ کی پشت بھیگتی محسوس ہوئی۔ اس نے چونک کر حبیب کو دیکھا۔ برسات تو وہاں بھی جاری تھی۔ خسارہ تو سانجھا تھا۔ کس کا کم، کس کا زیادہ، اس حساب میں مزید نقصان کا خدشہ تھا۔
ایک گہری سانس لے کر حمیرا نے حبیب صاحب کے کندھے پر اپنا سر رکھ کے آنکھیں موند لیں۔

بقیہ

تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

”باجی! نورین نے تو اپنے ساتھ میری بچی کو بھی ملانی بنا دیا ہے۔ اس گھُٹے ہوئے ماحول میں کیا بن جائے گی میری بچی؟“ نجمہ کرب سے بولی۔
رابعہ بھی چند لمحے اسی سوچ میں مبتلا رہی، پھر نورین سے بات کرنے کی ٹھانی۔۔۔
کھانے سے فراغت کے بعد بات چھیڑی گئی۔۔۔
”دیکھو نورین! دین میں اتنی بھی انتہا پسندی نہیں ہونی چاہیے۔ نماز، روزہ اور قرآن کی حد تک تو ہم بھی عمل کرتے ہیں، مگر یہ پردہ اور مرد و عورت کے الگ الگ انتظامات اب پرانے وقتوں کی باتیں ہیں اور تو اور اب تم اتنی سی بچی پر بھی ظلم کر رہی ہو۔“ رابعہ نے تلخی سے کہا۔
”ظلم! کیسا ظلم؟“ نورین چونکی۔
”ارے! اتنی گرمی میں میری بچی مسلسل سر پر اسکارف اوڑھے ہوئے ہے۔ پسینے سے شرابور ہوتے ہوئے بھی تمہارے ڈر سے وہ اسکارف نہیں اتار رہی۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟ اور نہ جانے ابھی اس پر اور کتنی پابندیاں عائد ہوں گی اور اس طرح اسے کتنا بے اعتماد اور ڈرپوک بنا دو گی۔“ نجمہ چلاتے ہوئے بولی۔
”نہیں نجمہ آپی! میں تو اسے اللہ اور رسول کی فرماں بردار بنانے کے لیے کوشاں ہوں، آپ غلط سوچ رہی ہیں۔“ نورین تڑپ کر بولی۔
شور کی آواز سن کر ارسلان بھی اس طرف آ گئے۔
انھوں بھی بہنوں کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ان پر تو شیطان سوار تھا۔ خوب بک جھک کر سب رخصت ہوئے، مگر آخری جملہ سن کر نورین دہل کر رہ گئی کہ ”میری بیٹی کو ملانی بنایا تو واپس لے لوں گی۔“
ساری رات نورین کی آنکھیں بھیگتی رہیں۔

تیری راہ میں یوں بے مول ہونا تھا
ابھی عشق کی راہ میں پہلا قدم رکھا تھا

صبح گھر سمیٹ کر نورین مدرسے کے لیے روانہ ہوئی۔
باجی جان سے اس کی روئی آنکھیں رات جگے کی چغلی کر گئیں۔
”نورین! میرے کمرے میں آیئے۔“
نورین خاموشی سے باجی کے دوبدو بیٹھی تھی، نظریں جھکی ہوئیں اور انگلیاں آپس میں گڈمڈ ہوئیں اندرونی بے چینی کا پتا دے رہی تھیں۔
”کیا بات ہے نورین! مجھ سے شیئر نہیں کریں گی؟“
باجی جان کا شفیق کندھا میسر آ گیا تھا، نورین خوب روئی، مگر باجی جان مسکراتی رہیں۔
”یہ راہِ حق ہے، یہاں آزمائشیں قدم قدم پر آئیں گی، حق کی راہ میں جو جتنا جمتا ہے اسے اتنا ہی اکھاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر اس مخالفت میں تو سنتِ انبیا اور سنتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوشیدہ ہے، ہمیں تو صرف باتوں اور لہجوں کے نشتر سہنے پڑتے ہیں۔ قربان جاؤ! اس امام الانبیا ﷺ کے جنھوں نے پتھر کھائے، لہولہان ہوئے، کیا ہم تھوڑی سی باتیں اور لہجے برداشت نہیں کر سکتے، پھر اس سہنے پر کیا کیا اجر مل رہے ہیں؟ کیا کیا درجات بلند ہو رہے ہیں؟ یہ جان لو تو خوشی خوشی ساری عمر یہ مخالفتیں سہہ لو۔“
باجی جان مدلّل انداز میں کہتی جا رہی تھیں اور نورین کے دل پر پھائے رکھ رہی تھیں۔
نورین ایک نئے عزم اور جوش کے ساتھ مدرسہ سے گھر کی جانب رواں تھی۔
”کہاں صبح کی دل گرفتہ نورین اور کہاں ایک بار پھر شیطانی واروں کے لیے سینہ سپر نورین!“

◆◆◆

”بس مجھے اپنی بیٹی واپس لینی ہے، پتا نہیں میری بیٹی کو کیا بنا رہی ہے؟“
گھر آ کر نجمہ نے احسن کو حتمی فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔
”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ ساڑھے تین سال بعد تم یک دم سے ان کی دنیا ویران کرنے کی باتیں کر رہی ہو، کچھ ہوش کے ناخن لو بی بی۔“ احسن نے نجمہ کو لتاڑا۔
”ہاں تو اپنی اولاد پر حق جما رہی ہوں، ان کی تھوڑی چھین رہی ہوں۔“ نجمہ ہٹ دھرمی سے بولی۔
”دیکھو نجمہ! یہ جذباتی پن کا مظاہرہ مت کرو، جب ہم نے ایک ہفتے کی جویریہ ارسلان اور بھابھی کے حوالے کی تھی تو ہمارا ایک خاموش معاہدہ ہو گیا تھا کہ ہم پورے حقوق کے ساتھ جویریہ ان کو سونپ رہے ہیں اور بھابھی اس کی دینی تربیت ہی کر رہی ہیں، اس میں حرج ہی کیا ہے؟ مجھے تو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہے کہ ہماری بچی دین کو لے کر چلنے والی بنے گی۔“ احسن نے ملائمت سے نجمہ کو سمجھایا۔
”آپ اس پر خوش ہوتے رہیں، میں اپنی بچی کو ملانی نہیں بننے دوں گی۔“ نجمہ تنبیہی لہجے میں بولی۔ (جاری ہے)

مسیحا کی ناانصافی

قسط نمبر 6

عائشہ سلیم

”بابا ایک دوست کی طرف گیا تھا۔“ وہ جلدی سے بولا۔
”مگر ایسا لگ رہا ہے کہ تم مٹی کے اندر سے آئے ہو۔“ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”کیا مطلب!“ کہہ کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔
”وہاں جاؤ، سمجھ آئے گی۔“ انھوں نے سامنے دیوار پر لگے شیشے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ باذل نے وہاں جا کر جب دیکھا تو اسٹور روم میں لگے جالے اس کے بالوں پر کانوں پر لٹکے ہوئے تھے، چہرے پر مٹی لگی تھی، سارے کپڑے گرد سے اٹے ہوئے تھے۔“ وہ جلدی میں نکل آیا تھا اور خود کو صاف تک نہ کیا۔
وہ خاموشی سے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

◆◆◆

اگلے دن صبح سویرے باذل گھر گیا، نہا دھو کر تیار ہوا، بیگ لے کر سیدھا ہسپتال جا پہنچا۔
”ڈاکٹر حلیمہ سے ملاقات ہو سکتی ہے؟“ اس نے Reception میں پوچھا۔
”ڈاکٹر حلیمہ، سر! آپ کل بھی آئے تھے نا اپنے بھائی کے سلسلے میں؟“ ریسپشن میں بیٹھی لڑکی نے کہا۔ باذل کا دل زور سے دھڑکا۔
”نن، نہیں میرا مطلب ہے ہاں جی! میں وہی ہوں۔“ وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔
آپ ویٹنگ روم میں بیٹھ جایئے، آپ کو بلا لیا جائے گا۔ وہ ویٹنگ روم میں بیٹھا تھا جب کوئی آ کر سامنے والی کرسی پر بیٹھا، اس کی طرف پشت تھی، اس نے اس کی طرف دھیان نہ دیا اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔
تھوڑی دیر بعد محمد شافع پکارا گیا تو وہ سامنے والا لڑکا اٹھا اور اندر چلا گیا۔
”ڈاکٹر حلیمہ سے شافع نے اپنی موم کا ذکر کیا اور اپنے تجسّس کا اظہار کیا اور یہ بتایا کہ وہ جاننا چاہتا ہے کہ آیا اس کی بہن تھی یا بھائی تھا۔“
ڈاکٹر حلیمہ نے اسے الگ ٹائم دینے کا کہا اور کہا کہ وہ اس سے اس بارے میں بات کرے گی۔
پھر باذل کو بلا لیا گیا، شافع جا چکا تھا، جب باذل نے تمام رپورٹس کے ساتھ اپنی بات سامنے رکھی تو وہ حیران رہ گئی کہ ایک ایسا کیس جو بیس سال پہلے پیش آیا اب بیس سال بعد۔۔۔!
انھیں اس بات کی بھی حیرت تھی کہ باذل کی ماں کی رپورٹیں اور شافع کی ماں کی رپورٹس دونوں میں ان کا نام کیسے؟ جب کہ وہ تو اس کیس کے ایک زاویے کو نہ بھول سکی تھی۔
انھیں اس طرح حیرت اور سوچ میں ڈوبا دیکھ کر باذل بولا:
”کیا میں صحیح جگہ آیا ہوں یا کہیں اور جانا پڑے گا۔“ لہجے میں مایوسی اور تھکن تھی۔
ڈاکٹر حلیمہ نے اسے ”ناامیدی گناہ ہے“ کہہ کر وہی ٹائم اور وہی جگہ بتائی جہاں انھوں نے شافع سے ملاقات کرنا تھی، انھوں نے باذل کو یقین دلایا کہ وہ ان کی ضرور کچھ نہ کچھ مدد کرے گی۔

◆◆◆

”یہ تمہارے بھائی کی کاپی تو کالج ہی نہیں آ رہا۔“ رومی نے شائزہ سے کہا۔
”لگتا ہے کہ وہ کوئی جن ہی تھا، شافع بھائی کو دیکھ کر ڈر کر بھاگ گیا ہو گا۔“ عابش نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔
”کل آیا تھا وہ کالج سیکنڈ ٹائم میں۔“ عائشہ بولی۔
”تمہیں کیسے پتا“ وہ سب ایک ساتھ بولیں۔
”میں بھی جن ہوں اس لیے۔“ یہ سن کر وہ سب ہنس دیں۔

◆◆◆

اگلے دن صبح ہی شافع تیار ہو کر نیچے آیا۔ فاطمہ بیگم جو تلاوت کر رہی تھیں، بیٹے کو جاتا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
”کہاں جا رہے ہو بیٹا اتنی صبح؟ ابھی تو 6:00 بھی نہیں بجے۔“
”موم مجھے ایک فرینڈ نے ناشتے پر بلایا ہے اور وہ جلدی ناشتا کرنے کا عادی ہے۔ سو میں اس کی طرف جا رہا ہوں۔ ڈونٹ وری میں 7:30 تک آ جاؤں گا۔ اوکے اس نے ماں کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر کہا۔
دروازے پر پہنچ کر واپس مڑا اور بولا: ”موم ٹائیگر کا خیال رکھنا، اللہ حافظ۔“

◆◆◆

باذل تیار ہو کر آیا ہوا تھا، وہ 6:00 بجے ہی وہاں پہنچا ہوا تھا، وہ بہت بے صبری سے ڈاکٹر حلیمہ کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ آخر ہے کون؟ اس کی ماں کون ہے؟ اس کا باپ کون ہے؟ کوئی اور ہے یا پھر یہی ڈاکٹر عثمان اور انیسہ۔۔۔ وہ اب تک ڈاکٹر حلیمہ کو 6-7 مسڈ کال دے چکا تھا۔
تھوڑی دیر بعد وہاں ایک گاڑی آ کر رُکی یہ ڈاکٹر حلیمہ تھی، وہ بھی آ چکی تھی، اب صرف شاویز رہ گیا تھا۔
یہ لوگ بیٹھے ہی تھے کہ ایک مہرون کار آ کر رکی اور اس سے ایک شخص اترا، وہ انھی کی طرف آ رہا تھا۔ اسے آ کر سلام کیا اسے دیکھ کر باذل حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا، کیوں کہ یہ وہی تھا جس نے اسے کالج میں باتیں سنائی تھیں اور اس کے ساتھ اس کی تصویریں بھی تھیں۔ اسے دیکھ کر ایک دم باذل بول پڑا: ”آپ یہاں؟“ شافع بھی باذل کو دیکھ کر بہت حیران ہوا کیوں کہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ جس کے لیے وہ یہ سب کر کے ثبوت اکٹھا کر رہا ہے وہ تو ہو بہو شاویز ہے، اسے تو دیکھ کر ہی سب بول اٹھیں گے کہ یہ شاویز کا ہی بھائی ہے، مگر قانون کچھ اور ہے اور باذل بھی ڈاکٹر عثمان کا بیٹا تھا۔
اسے کھڑا دیکھ کر ڈاکٹر حلیمہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا: ”شافع بیٹا! کل آپ کے جانے کے بعد یہ بھی اسی کیس کے سلسلے میں آئے تھے تو میں نے انھیں بھی یہیں بلا لیا، تاکہ دونوں کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں، سوچ رہی ہوں کہ آج سے بیس سال پہلے کے بارے میں بیس سال بعد بات ہو رہی ہے، کوشش کروں گی کہ آپ لوگوں کا زیادہ وقت نہ لوں۔“
”U know Doctor میں کل بیس کا ہو گیا اور کل سے کچھ پہلے اپنے بارے میں معلومات کرنے کا سوچا اور آج اپنے بارے میں سننے جا رہا ہوں۔“ باذل بولا۔
”آپ بتائیں نا پلیز، شافع کو بہت جلدی تھی، گویا کہ وہ سننے کے لیے بے تاب تھا اس بات کو۔“
”تو سنو۔“ (جاری ہے)

جُنید امین

جُنید امین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

آزادی کی قیمت

مہوش کرن

یہ بھی حسنِ اتفاق تھا کہ گاؤں کے سارے مرد اور لڑکے شہر سے عید کرنے کے لیے گاؤں آئے ہوئے تھے، ورنہ میں سوچتی ہوں کہ اس دن کیا ہوتا۔ ہماری عزت، جان، مال محفوظ رہتے بھی یا نہیں۔ پورا خاندان مٹ جاتا تو آج تم لوگ بھی نہ ہوتے، مگر زندگی موت کے فیصلے تو اس بزرگ و برتر کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا منکرِ خدا بھی اس دن جو ہوا وہ دیکھ لیتا تو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آتا۔

اس دن حسب معمول صبح صادق کے بعد سے ہم سب کا دن شروع ہو چکا تھا، مگر عجیب بات یہ لگی تھی کہ کوئی دودھ والا، سبزی والا، تیل والا اب تک نہ آیا تھا۔ جب کہ مسلمانوں کے گاؤں کے ساتھ قبرستان کے پار ہی ہندوؤں کا گاؤں تھا اور وہاں سے سب سویرے ہی سامان لے کر آتے تھے، مگر آج ایک عجیب سا سناٹا تھا۔

ماحول میں گرما گرمی تو کئی روز سے چل رہی تھی۔ جب سے تحریک نے زور پکڑا تھا، ہر طرف الگ وطن کی باتیں ہو رہی تھیں، ہم سب میں بڑا جوش و خروش تھا، لیکن ہندوؤں کے تیور بدلے بدلے سے لگ رہے تھے۔ ان کی عورتیں بھی سامان بیچنے بالکل نہیں آ رہی تھیں تو ہم سب مسلمان بھی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے، مگر اس روز ایک الگ ہی احساس ہو رہا تھا جس پر خوف غالب آتا جا رہا تھا۔ سامان وغیرہ جو گھر میں موجود تھا، اس سے افطاری کی چیزیں بن جاتیں، لیکن حالات کی وجہ سے ہر کسی کا دل بے چین تھا۔

ظہر کی نماز پڑھنے سب مرد مسجد چلے گئے اور ہم سب عورتیں اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگیں کہ اچانک سب ہی مرد واپس آ گئے اور اطلاع دی کہ ہم پر حملہ ہونے والا ہے۔ کسی نے مخبری کر دی تھی کہ سامنے والے گاؤں کے ہندو ہم مسلمانوں کے گاؤں پر حملہ کرنے والے ہیں، اسی لیے صبح سے کوئی اس طرف سامان بیچنے نہیں آیا تھا۔ یہ سب سن کر پہلے تو اوسان خطا ہوئے، لیکن جلدی سے دعا کی اور اوسان کو قابو کر کے یہ طے کیا گیا کہ تمام عورتوں، بچیوں اور بچوں کو چھتوں پر لٹا دیا جائے اور مرد گاؤں سے باہر حفاظتی دیوار بنا کر کھڑے ہو جائیں۔

عورتوں اور بچوں نے اپنے اپنے گھریلو اوزار اٹھائے اور چھتوں پر لیٹ کر درود پاک اور ساری دعاؤں کی تسبیح شروع کر دی۔ مردوں کے پاس بھی ہتھیار تو کوئی تھے نہیں، سو جس کے ہاتھ جو آیا اُس نے وہ اٹھایا اور اپنے دین کی سرفرازی اور عورتوں کی حرمت کو پامال ہونے سے بچانے کی خاطر کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

وہ بھی عجیب منظر تھا۔ میں چھت کی منڈیر کی دراڑ سے جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہندو آگے بڑھتے نظر آ رہے تھے اور ادھر سے میرے غیور باپ، بھائی اور بیٹے نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے۔ جب قبرستان عبور کر کے مخالف بالکل مسلمانوں کے سامنے پہنچ گئے تو اچانک تیز ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ گاؤں کی آخری حدود پر ایک بہت پرانی کوٹھی تھی، اب یاد نہیں وہ کس کی تھی، لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ وہاں کوئی رہتا نہ تھا اور بڑا سا تالا پڑا رہتا تھا۔ جب آندھی بے انتہا تیز ہو گئی تو اس کوٹھی کے در و دیوار زور زور سے ہلنے لگے، لگتا تھا سب کچھ اُکھڑ جائے گا۔ پھر میں نے سامنے سے تیز روشنی اٹھتی دیکھی غور کیا تو لگا بہت سارے لوگ سفید لباس میں ہیں اور ہمارے مردوں کے آگے صف بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں، پھر میں نے تو آنکھیں بند کر لیں، لیکن بعد میں بھائی صاحب نے زندگی بھر یہ واقعہ دہرایا۔ ایسا لگا تھا کہ اس مکان سے سفید لباس میں ملبوس لوگ نکل نکل کر آ رہے ہیں۔ اس منظر کی ہیبت سے ہی بیشتر ہندو بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ کا تو خوف سے ہی دم نکل گیا۔ یعنی لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی، چوں کہ لوگوں نے اپنی واضح حکمتِ عملی سے اللہ تعالیٰ تک اپنی نیتوں کا اخلاص پہنچا دیا تھا، شاید اسی لیے ایسی شاندار مدد نازل ہوئی تھی۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ!!

جب آندھی تھمی تو پتا چلا میدان صاف ہو چکا ہے۔ ہم سب چھتوں سے اتر کر ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے ہتھیار اٹھانے کے لیے لپکے تو دیکھا کہ ایک لاش اس سبزی فروش کی بھی تھی جو روز نہایت مہذب انداز میں ہمیں سبزی بیچ کر جاتا تھا، جبکہ اس روز وہ ہم سے لڑنے آیا تھا۔

ہمارے لیے جو اللہ کی مدد اتری وہ ہجرت کے سفر سے لے کر منزل پر پہنچنے تک شامل رہی، لیکن راستے میں ہم نے کئی دلدوز چیخیں سنیں، بے شمار آنچل تار تار ہوتے دیکھے، معصوم گلے کٹتے دیکھے، کنوؤں اور تالابوں میں عصمت بچانے کی خاطر جانیں ضایع ہوتے دیکھیں، کتنا مال و متاع قربان ہوتے دیکھا۔ خود ہم بھی بس اللہ کا نام، اپنی جان و عزت بچا لائے، باقی سب تو ختم ہو گیا۔ لیکن یہی بہت تھا کہ جس کو اللہ کافی ہو جائے اسے اور کیا چاہیے۔ اُس وقت ہر کسی کی اپنی آزمائشیں تھیں۔ وہ منظر اور آوازیں آج بھی چین سے سونے نہیں دیتیں، وہ سب بھولنے نہیں دیتیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ کیسے صرف دو قومی نظریے کی بنیاد پر وہ سب شروع سے ساتھ رہنے کے باوجود ہمارے جان لیوا دشمن بن گئے تھے اور کیسے آج ہم اسی نظریے کو بھول کر ان دشمنوں سے دوستی کرنے کے جواز پیش کرتے رہتے ہیں۔ آج ہم صرف کرکٹ کے میدان میں ان کے خلاف جہاد کرتے ہیں، جبکہ کشمیر اور اپنے ملک کے خارجی و داخلی معاملات میں دخل اندازی اور دہشت گردی پر ہم ان سے صرف مذاکرات اور ٹیبل ٹاک کرتے ہیں۔ آج لوگ بے حس ہو کر روشن خیالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آزادی کی ناقدری کرتے ہیں۔ لوگوں کو یہ اندازہ ہی نہیں کہ اُس نازک وقت میں نظریہ اور آزادی کی کتنی بھاری قیمت ادا کی گئی تھی

وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش اپنی سوچوں میں گم ہو چکی تھی، لیکن میں سوچتی رہ گئی کہ کیا واقعی ہم اپنی اس آزادی کی قیمت چکا سکتے ہیں۔ کیا ہم اُس درجے کرب اور آزمائشوں سے گزرنے کا سوچ بھی سکتے ہیں۔ جواب مجھے معلوم تھا، لیکن خود شناسی کے باوجود خود اعترافی کی ہمت نہ ہوئی۔ کیا اتنی ہمت آپ میں ہے؟

آزادی کا سفر

حمیرا علیم

"چپ کر جا کم بخت! چپ کر جا! کوئی سن لے گا اور ہم سب مارے جائیں گے۔ چپ کر جا!" زاہدہ نے اپنے پانچ سالہ بیٹے کے منہ پہ ہاتھ رکھ کے اسے چپ کرواتے ہوئے کہا۔ زاہدہ اس کی ساس، دو نندیں، ایک بیٹا اور بیٹی، اس کا شوہر اور سسر سب اپنی جان بچا کر صرف کچھ کاغذات اور زیورات لے کر امرتسر سے نکلے تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے گھروں پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ تو شکر ہوا کہ زاہدہ کے شوہر ماجد کے دوست کرن ویر سنگھ نے اس بلوے کی اطلاع اسے ایک دن پہلے ہی دے دی تھی۔ خبر ملتے ہی ماجد بھاگا بھاگا گھر آیا دروازہ بند کیا اور پھولی سانس کے ساتھ زاہدہ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے گیا۔ زاہدہ ہنڈیا چولہے پہ چڑھائے پھونکنی سے آگ جلا رہی تھی۔ ماجد کے اس طرح گھسیٹنے پر بوکھلا کر بولی۔

"ارے! ارے! کیا ہو گیا ہے ماجد۔ باولے ہوئے ہو ہنڈیا چولہے پر۔۔۔" ماجد نے اسے بات بھی پوری نہیں کرنے دی اور اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔

"چپ کر جا زاہدہ! اور غور سے میری بات سن۔" ماجد نے ہراساں نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے محلے پر بلوا ہونے والا ہے۔ جلدی جلدی کچھ سامان باندھ کر تیار ہو جاؤ۔ بچوں کو اور اماں ابا اور مینا شینا کو بھی بتا دے، جتنا جلدی ہم یہاں سے نکل جائیں اچھا ہے۔ میں جا رہا ہوں کسی سواری کا بندوبست کر کے آتا ہوں، کوئی پوچھے تو کہنا گاؤں میں چچا کا انتقال ہو گیا ہے، وہاں جا رہے ہیں۔" اس سے پہلے کہ

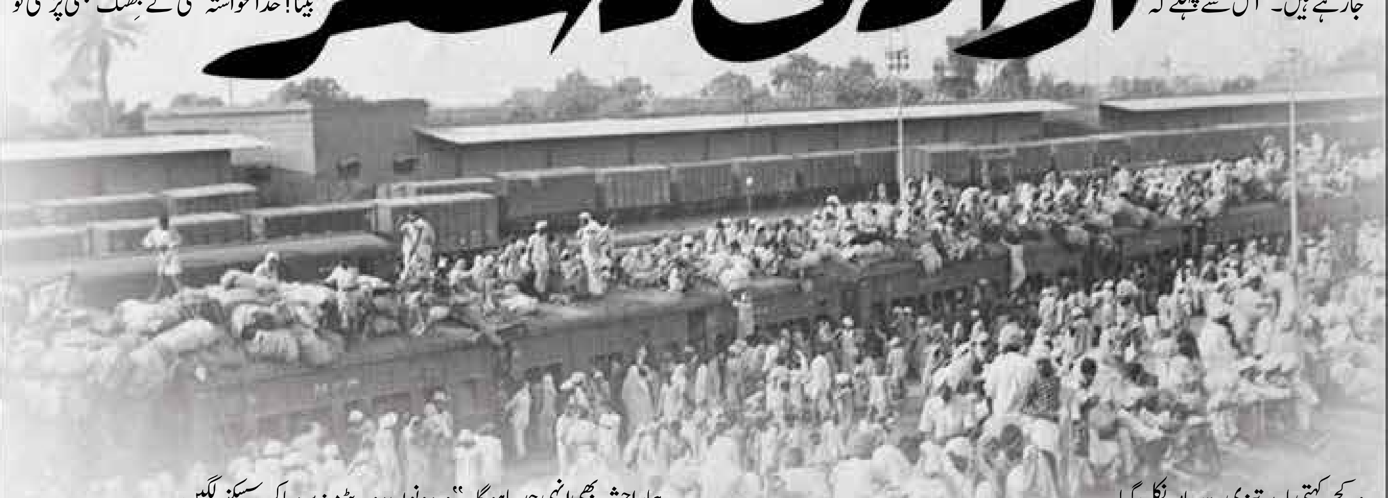

وہ کچھ کہتی ماجد تیزی سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر تک تو زاہدہ کو سمجھ ہی نہ آئی کہ ماجد نے کیا کہا ہے، پھر حواسوں میں آتے ہی وہ بھاگ کر ساس اور سسر کے کمرے میں گئی اور ساس کے پلنگ پہ بیٹھتے ہوئے سرگوشیوں میں ساری بات انکو بتا دی۔

"ابا جی! ماجد نے کہا تھا جلدی نکلنا ہوگا۔ اس لیے آپ لوگ تیار ہو جائیں۔"

وہ واپس اپنے کمرے میں گئی، بچوں کے اپنے اور ماجد کے چند جوڑے اپنے زیورات اور کچھ پیسے جو اس نے جمع کیے تھے، ایک پوٹلی میں باندھے اور باہر دوڑی۔ اتنے میں اس کی نندیں اور ساس سسر بھی تیار ہو کر باہر نکل آئے۔ مغرب کے بعد ماجد ایک بیل گاڑی لے کر آ گیا۔ سردیوں کے دن تھے، لہٰذا سب اپنے گھروں میں بند تھے۔ وہ سب خاموشی سے گاڑی میں بیٹھے۔ گاڑی بان نے بیلوں کو ہانکا اور گاڑی چل دی۔ شکر ہوا کہ کوئی گلی میں نہ تھا، ورنہ ہندوؤں کو خبر ہو جاتی تو نکلنا محال ہو جاتا۔

جب چند کلومیٹر کا فاصلہ گزر گیا تو زاہدہ کو اپنا گھر یاد آیا۔ کتنی چاہ سے اس نے ہر ایک کمرے کو سیٹ کیا تھا، صحن میں پھولوں کے پودے لگائے تھے۔ ہر روز موتیے کے پھول چن کر وہ گجرے بناتی اور اپنی دونوں کلائیوں میں پہنتی تھی۔ اسے موتیے کی خوشبو بہت پسند تھی۔ "ہائے! کیسے بھرا پرا گھر ایک دم چھوڑ کر نکلنا پڑا۔" بے دھیانی میں اس نے بلند آواز سے کہا تو اس کے سسر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"شکر کر بٹیا! وقت پہ خبر ہو گئی، ورنہ تو جو کچھ ہونا تھا تو تصور بھی نہیں کر سکتی۔ جان ہے تو جہان ہے۔ زندہ رہے تو گھر اور سامان پھر مل جائے گا۔ تم لوگوں کی جانوں اور عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ اللہ بھلا کرے کرن پتر کا، جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ تو بیان بھی نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر انھوں نے گھٹنوں میں سر دے دیا اور سسکنے لگے۔

زاہدہ کے دونوں بچے سو رہے تھے، اچانک اس کے بیٹے نے رونا شروع کر دیا تو ماجد نے سختی سے اسے گھرکا۔

"چپ کرواؤ اسے۔ رستے میں کسی کو خبر ہو گئی تو ذبح کر دیے جائیں گے ہم سب۔" زاہدہ اسے گود میں لیکر چپ کروانے لگی۔

سب خوف زدہ تھے کہ کہیں بلوائیوں کو خبر نہ ہو جائے۔ اتنے میں بیل گاڑی رک گئی۔ ماجد نے فوراً کپڑا ہٹا کر جھانکا اور ایک دم اس کا رنگ فق ہو گیا۔

"کیا ہوا ماجد بیٹا! گاڑی کیوں رک گئی ہے؟" اس کی ماں نے پوچھا۔

"اماں! لگتا ہے ہم سے پہلے کوئی قافلہ گزرا تھا اور بلوائیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ راستہ لاشوں سے اَٹا پڑا ہے۔ آپ لوگ بیٹھیں۔ میں اور ابا گاڑی بان کی مدد سے راستہ صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر دونوں باپ بیٹا بیل گاڑی سے نیچے اتر گئے۔ شینا اور مینا نے مارے خوف کے رونا شروع کر دیا تو اماں نے انھیں ساتھ چپکاتے ہوئے کہا: "چپ رہو بیٹا! خدانخواستہ کسی کے بِھنک بھی پڑ گئی تو ہمارا حشر بھی انہی جیسا ہوگا۔" وہ دونوں دوپٹے منہ پر دبا کر سسکنے لگیں۔

کچھ لمحوں بعد دونوں باپ بیٹا واپس آئے تو ان کے کپڑے خون آلود تھے اور چہرے اترے ہوئے۔ بچے بوڑھے جوان عورتیں ہر طرف کٹے ہوئے جسموں کا ڈھیر تھا۔ عورتوں کی لاشوں سے پتا چلتا تھا کہ مارنے سے پہلے ان کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ نیزے میں پرو کر مار دیا گیا تھا۔ مردوں کے جسموں پر کلہاڑیوں اور برچھیوں کے وار تھے۔ لگتا تھا انھوں نے جم کر مقابلہ کیا تھا، مگر تعداد میں تھوڑے ہونے کی وجہ سے مارے گئے۔

گاڑی چلتی جا رہی تھی اور 51 کلومیٹر کا فاصلہ جیسے صدیوں پر محیط ہو گیا تھا۔ انھوں نے لالٹین بھی بند کر رکھی تھی، تاکہ کوئی انھیں دیکھ نہ سکے۔ رات کے اندھیرے نے ماحول کو اور بھی ہولناک بنا دیا تھا۔ گاڑی بان بھی مسلمان تھا، جس کے تمام رشتے دار ریل گاڑی کے ذریعے پاکستان جا رہے تھے، وہ پیچھے رہ گیا، تاکہ سب سامان وغیرہ سمیٹ کر گاڑی لے کر پاکستان جائے، لیکن یہی بات اس کی جان بچا گئی۔ ریل گاڑی کو روک کر اس میں موجود تمام مسافروں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ لاہور سے اس کے ماموں زاد نے بتایا تھا۔ "جب ہم پھوپھو اور سب گھر والوں کو لینے پہنچے اور گاڑی میں جھانک کر دیکھا تو ساری ٹرین لہولہان تھی۔ تقریباً سبھی مسافر مر چکے تھے۔ چند ایک جو زخمی تھے، انھوں نے بتایا کہ بلوائیوں نے ایک اسٹیشن پر گاڑی میں گھس کر سب کو مار دیا۔"

اس دن کے بعد سے اس نے ماجد کے خاندان جیسے کئی خاندان چھپ چھپا کے پاکستان پہنچائے تھے۔ اس کے گھر والے تو مارے گئے کوئی اور تو بحفاظت اپنے وطن تک پہنچ سکے۔

سب اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ ماجد سوچ رہا تھا، کل تک جو ہندو اور سکھ میرے بچپن کے یار تھے، آج انھیں کیا ہوا کہ میری زندگی کے دشمن بن گئے؟ عید ہو یا ہولی، ہم نے اکٹھے منائی۔ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کو سہارا دیا، پھر اب کون سی آگ بھڑک اٹھی ہے جس نے ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے؟ انہی سوچوں میں گم سب دم سادھے بیٹھے تھے۔

اچانک گاڑی بان کی آواز آئی: "ماجد بھائی! اللہ کا شکر ہے، ہم بارڈر پر پہنچ گئے ہیں، اب ہم محفوظ ہیں۔" سب نے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو کچھ فاصلے پر فوج کی چوکیوں سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ گاڑی بان انھیں ایک محفوظ راستے سے پاکستان تک لے ہی آیا تھا۔ سب نے خوشی سے رونا شروع کر دیا۔ جلد ہی ہم اپنے وطن میں سکون سے رہ سکیں گے۔

اے وطن

شکیل مقبول

جشنِ آزادی کے سلسلے میں آج ٹی وی پہ پروگرام چل رہا تھا۔ نسیم بیگم بڑے انہماک سے پروگرام دیکھ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ اپنے پوتے شاہ زین کی سلامتی کی دعا کر رہی تھیں، کیوں کہ نیوز میں اینکر پرسن مُلک کی سرحدوں پر متعین فوجی جوانوں کی شہادت کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ سرحد پار دشمن فوج کے سپاہیوں کی فائرنگ سے متعدد پاک فوج کے نوجوان شہید ہو گئے ہیں۔ ابھی وہ وہیں بیٹھی تھیں کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ان کی بہو ساجدہ بیگم نے فون سنا۔

تو فون میں ان کے بیٹے شاہ زین کی شہادت کی اطلاع دی جا رہی تھی۔ شہادت کا سن کر ساجدہ بیگم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔

اپنے پوتے کی شہادت کا سن کے نسیم بیگم کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ ان پر اپنے پوتے کی شہادت پر خوشی مرگ کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

انھوں نے ساجدہ بیگم کو دلاسہ دیا کہ "فخر کرو کہ تم ایک شہید کی والدہ ہو۔"

اچانک ان کے کانوں میں وہ الفاظ گونجنے لگے، جو شاہ زین نے کافی سال پہلے اپنے اسکول کی تقریب میں ادا کیے تھے۔ نسیم بیگم اسٹیج کے سامنے مہمانانِ خصوصی کے طور پر بیٹھی اپنے پوتے کی ولولہ انگیز تقریر سن رہی تھیں: "تاریخ گواہ ہے کہ برِّصغیر کے مسلمانوں کو انگریزوں نے آزادی پلیٹ میں رکھ کر نہیں دی، نہ ہی مسلمانوں نے کسی جادوئی طاقت سے آزادی حاصل کر لی۔ مسلمانانِ برِّصغیر کی انتھک کوششوں سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اس کے لیے مسلمانوں نے اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔ آزادی کے دیے کو اپنے خون سے جلایا۔ ماؤں نے اپنے بیٹے قربان کیئے، بہنوں نے بھائیوں کا لہو پیش کیا اور خواتین نے اپنے سہاگ لٹائے اور ننھے منے بچوں نے اپنے باپ آزادی کے حصول کے لیے قربان کر دیے۔

ہمارے آباؤ اجداد نے اپنے خون کے دیپ جلا کر اس وطن کی بنیاد رکھی۔ ہمیں ایک آزاد ملک سے نوازا، تاکہ ہم اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ آزاد وطن یہی وہ زمین ہوتی ہے جو خوشی خوشی لوگوں کا بوجھ اٹھائے پھرتی ہے، لوگ جیسی بھی زندگی گزاریں، چاہے وطن سے وفاداری کریں یا غداری کریں، اس کے باوجود وطن کی زمین انھیں برداشت کرتی ہے اور مرنے کے بعد ان کے لیے اپنا سینہ چاک کر دیتی ہے۔

سرزمینِ وطن کے یہ احسانات ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم اس سے پیار کریں۔ وطن کی شادابی اور آبادی کے لیے محنت و مشقت سے کام لیں۔ اس کی طرف میلی آنکھ اٹھانے والوں کی آنکھ پھوڑ دیں۔ تعمیرِ پاکستان کے لیے دن رات اپنے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دیں، تاکہ سرزمینِ وطن اپنے باسیوں پر فخر کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے وطنِ پاکستان کی حفاظت کرتے ہوئے شہادت نوش فرمانے کی توفیق دے۔ آمین

اے وطن مجھ سے لے لے تو جو لینا چاہے
یہ بازو! یہ تیشہ! تو جو لینا چاہے
یہ گیہوں! یہ مٹی! تو جو لینا چاہے
فقط اس کے بدلے میں تو خود کو بچا لے
وطن اپنے باہر فصیلیں بنا لے
فصیلوں کی بنیاد تو مجھ پہ اٹھا لے
میں وطن کو سجاتے ہوئے جان دے دوں گا
پاکستان زندہ باد پائندہ باد

آج شاہ زین کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ نسیم بیگم کو یاد آیا کہ اپنے کالج کے زمانے میں انھوں نے بھی دعا کی تھی۔ یا اللہ ہمیں آزاد مملکت عطا فرما دے۔ ہم اس کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پاکستان ہجرت کے دوران شاہ زین کے دادا نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ ایک دعا تخلیق پاکستان کے لیے تھی جو آزادی کے حصول کے لیے جوش وولولے سے کی گئی تھی دوسری دعا ننھے منے پر عزم شاہ زین نے بچپن میں تعمیر پاکستان کے لیے کی تھی۔ دونوں دعائیں قبولیت کا شرف حاصل کر چکی تھی۔ نسیم بیگم نے سجدۂ شکر ادا کیا کہ وہ ان بہادر خواتین میں سے تھیں جنھوں نے پاک وطن کے لیے اپنے پیاروں کو قربان کیا تھا۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے، تیرے جانباز چلے آتے ہیں
تیری بنیاد میں ہے لاکھوں شہیدوں کا لہو
ہم تجھے گنجِ دو عالم سے گراں پاتے ہیں

وطن کی مٹی گواہ رہنا

سمیرا انور

"حیدر پتر! آج زمینوں سے ذرا جلدی واپس آ جانا۔" وہ گھر سے باہر نکل رہا تھا کہ ابا جی کی آواز سن کر رک گیا اور ان کے قریب چلا آیا جو حقّے کے کش لگا رہے تھے۔

"خیر تو ہے ابا جی! پھر کہیں شہر تو نہیں جانا، بے بے کدھر ہے، ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"اوہ، حوصلہ کر پتر! خیر والی بات ہی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولے۔

کل ریڈیو میں بتا رہے تھے کہ آج شام پانچ بجے بابا قائد کا مسلمانوں سے خطاب ہو گا، اس لیے میں کہہ رہا تھا کہ گدھا گاڑی لے کر جلدی آ جانا، تاکہ میں اور تمہارے دینو چاچا آرام سے خطاب سننے جا سکیں۔ ہم دونوں سے کہاں اتنا سفر پیدل ہوتا ہے، ہمارا خواب تو اپنی سرزمیں سے جڑا ہے۔ اللہ کرے ہمیں وہ دن دیکھنا نصیب ہو جب ہم ان ہندوؤں سامراجوں کے ظلم سے آزاد ہو کر وطن کی ٹھنڈی ہوا میں سانس لے سکیں گے۔ انھوں نے بے چینی سے ساری بات بتائی۔ حیدر کا دل بھی اپنی مٹی کے لیے بے تاب ہونے لگا کہ کب وہ دن آئے گا جس کا شدّت سے سب کو انتظار ہے۔ ابا سے جلدی آنے کا وعدہ کرتا وہ چلا گیا۔

شام ہوئی ہر طرف چہل پہل تھی، امید تھی کہ آج ضرور کچھ نہ کچھ پتا چل جائے گا کہ کب تک یہاں سے اپنے پیارے وطن کے لیے روانہ ہونا ہے، کیوں کہ علاحدگی کا اعلان ہو چکا تھا، سب خوش کن خیالوں میں گم تھے کہ جانے وہ کیسی سرزمین ہو گی؟ جہاں ہماری ماں، بہنوں کی عزتیں محفوظ ہوں گی اور ہمیں سکون کا سانس لینا نصیب ہو گا۔

شام کے وقت جب وہ آیا تو ابا اور دینو چاچا کو تیار بیٹھے دیکھ کر پہلے مسکرایا اور پھر بولا۔

"آپ دونوں کو دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے، جیسے پاکستان جانے کی تیاری ہو"

"پتر! تیری زبان مبارک ہو ان شاء اللہ ہم سب مل کر ہی جائیں گے۔" دینو چاچا اپنا حقہ اٹھاتے ہوئے بولے۔

"لالا" ننھی اس کے قریب آئی اور بولی: "مجھے چھوڑ کر نہ جایئے گا، میں بھی اپنے وطن جاؤں گی۔"

"ارے پگلی! ہم بھلا تمھیں کیوں نہ لے کر جائیں گے۔"

اس نے پیار سے اس کا سر تھپکا اور بے بے سے دعا لیتا ابا اور دینو چاچا کو لے کر جلسہ گاہ کی طرف چل دیا۔

دور دور سے لوگ آئے تھے اور مشتاق نظروں سے اپنے رہنما محمد علی جناح کی تقریر میں گم تھے، ایک انگریز صحافی نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں ایک بزرگ سے پوچھا: "بابا جی! آپ کے لیڈر تو انگریزی بولتے ہیں تو آپ کو کیسے سمجھ آتی ہے" وہ بزرگ مسکرائے اور بولے: "بے شک ہمیں ان کے الفاظ کی سمجھ نہیں آتی، لیکن اتنا یقین ہے کہ جو وہ کہہ رہے وہ سچ ہے۔" یہ سن کر انگریز صحافی حیران سا پلٹ گیا۔

حوصلے کا دامن پکڑے اور یقین کی مالا گلے میں پہنے وہ رات گئے گھر لوٹے۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ اگلی صبح دینو چاچا ہانپتا ہوا آیا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگا: "شیر محمد! کچھ سنا تم نے، جالندھر میں ہندوؤں نے قتلِ عام شروع کر دیا ہے اور کسی وقت ہمارے گاؤں بھی پہنچ سکتے ہیں" حیدر نے ریڈیو چلایا تھکاوٹ کی وجہ سے رات خبریں سنی ہی نہیں تھی۔ ایک ہی افسوس ناک خبر آ رہی تھی کہ ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر مسلمانوں کے گھروں میں گھسنا شروع کر دیا ہے اور ان کی بیٹیوں کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں اور آج رات ٹرین پاکستان کے لیے روانہ ہو گی۔ آخر میں اس خوشی کی خبر پہ سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اس سنگین صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے انھیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا تھا۔ سب نے اپنا سامان چھوڑ کر جانا تھا۔

"بے بے! میں اپنی لالی کو نہیں چھوڑ کر جاؤں گی، اس کو بھی ساتھ لے چلیں" ننھی بھاگ کر اپنی بکری کو پیار کرنے لگی۔ انھوں نے اپنے آنسو پونچھے اور اس کو تسلی دیتے ہوئے بولیں: "وہاں اپنے دیس میں اس سے بھی اچھی لالی ہو گی، میں تمھیں وہاں جا کر لے دوں گی۔ ہمیں یہاں سب چھوڑ کر جانا ہے"

اتنے میں حیدر کا دوست شیدا آ گیا اور اس نے بتایا ہر جگہ یہی خبر ہے، ہمیں کسی بھی وقت رات کو یہاں سے کوچ کرنا ہو گا، کیوں کہ سکھ اور ہندو بھوکے بھیڑیوں کی طرح منڈلا رہے ہیں ہمارے گاؤں میں چوں کہ مسلمان زیادہ ہیں، اس لیے وہ کچھ دیر آنے میں لگائیں گے۔

انھوں نے گاؤں کے سب لوگوں سے مشاورت کر کے طے کیا کہ رات آٹھ بجے ہم قافلوں کی صورت میں نکل کر ریل گاڑی کے اسٹیشن کی طرف چلیں گے، کیوں کہ انھوں نے معلوم کرایا تھا کہ پہلی ٹرین اسی وقت چلنی ہے۔

سب کو شدّت سے رات کا انتظار تھا، اپنی پاکیزہ مٹی کو چھونے کے احساس نے سب بھلا دیا تھا، کسی نے کوئی ساز و ساماں نہ لیا، بس آخری نظر سب پر ڈالی، کسی کو اپنی گائے تو کسی کو اپنی بکری کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو نظر آئے۔ سب وطن کی مٹی کے آگے حقیر نظر آیا۔ بے بے نے مضبوطی سے ننھی کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور حیدر نے ابا جی کے شانے پہ تسلی آمیز ہاتھ رکھا تھا۔ ان کے قدم نہیں ڈگمگا رہے تھے، اب تو دینو چاچا بھی بغیر چھڑی کے چل رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی کا عالم تھا، سب کو یہی ڈر تھا کہ کہیں کوئی ہندو ٹولا نہ آ جائے۔ مسلسل دو گھنٹے چل کر ننھی تھک گئی اور بے بے سے کہنے لگی کچھ دیر بیٹھ جائیں۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ چیخوں کی آوازیں آئیں۔ سکھوں نے بے دردی سے حملہ کر دیا تھا، سب ادھر ادھر چھپنے لگے۔ خنجر چل رہے تھے، لاشے گرنے لگے، قہر کی طرح وہ برس پڑے۔ "یا اللہ مدد! ہمیں اپنا دیس دیکھنا نصیب ہو۔" شیر محمد کی زباں سے یہی لفظ نکل رہے تھے۔

بابا! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" ننھی ان سے لپٹ گئی۔ آہ! ایک تیر حیدر کو آن لگا۔ وہ نیچے گرا، تکلیف سے کراہا، ابھی سیدھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ دوسرا بھی ایک ظالم نے مار دیا۔ بے بے لپک کر آگے بڑھنے لگی کہ دوسرے نے ان کو پاؤں کی ٹھوکر سے گرا دیا۔ بے بے سے جوان بیٹے کی موت برداشت نہ ہوئی اور سکتے کی حالت میں ہی ابدی نیند سو گئیں۔ اتنے میں کچھ مسلمان فوجی آن پہنچے۔

شیر محمد نے جب اپنے عزیزوں کو اس حالت میں دیکھا تو دل خون کے آنسو رونے لگا۔ انھوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھا، آخری نظر ڈالی اور ننھی کا ہاتھ تھاما جو جھاڑی کے پیچھے خوف زدہ کھڑی سسک رہی تھی۔

دینو چاچا اور ان کے سب گھر والوں کی بری طرح کٹی لاشیں دکھائی دیں۔ کچھ دیر بعد باپ، بیٹی ٹرین میں بیٹھ گئے تھے۔ واہگہ بارڈر تک سب کے دل تھر تھراتے رہے۔ صبح کے اجالے نے انھیں نئی زندگی کا پیغام دیا وہ اپنے دیس آ گئے تھے، جس کے لیے انھوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا اور اپنے لیے آزادی کو فوقیت دی تھی۔

شیر محمد نے اپنی پیاری کے بیٹی کے آنسو پونچھے اور کہا: "یہ ہمارا وطن ہے، ہماری عزت کا رکھوالا ہے، اس کی فضا میں سانس لیتے ہوئے تم سب درد بھول جاؤ گی" ان کی نگاہیں اپنی مٹی کو چھوتے ہوئے پکار رہی تھی۔۔۔

"وطن کی مٹی گواہ رہنا، گواہ رہنا۔"

قرات گلستان

آزادی کا مطلب کیا!!!

پنجم جماعت کی طالبات نے آزادی کا جو مطلب سمجھ رکھا تھا، وہی لکھا تھا یا یوں کہا جائے کہ جیسے وہ یومِ آزادی ہمیشہ مناتی اور گزارتی رہی تھی، وہ سب لکھ ڈالا تھا، لیکن یہ سب پڑھ کر نہ جانے کیوں انجم کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل بھی رو پڑا تھا۔ خوب صورت کپڑے پہن کر ہلا گُلّا کرنا، میک اپ اور سبز سفید چوڑیاں پہن کر بڑے بڑے مالز میں جانا، ملی نغموں کے پروگرام منعقد کر کے ان میں انعامات کی بارش کرنا، پڑوسی ملک کے شور و ہنگم والے گانوں پر واہیات ڈانس کر کے اس دن کو منانا، بس یہی مقصد ہر بچی نے لکھا تھا۔

شاید بچیوں نے اپنے حساب سے درست ہی لکھا ہے، بس میری توقع کے مطابق نہیں لکھا۔ انجم نے خود کو تسلی دینے کے لیے سوچا، لیکن اس سوچ سے ہی اُس کی روح تڑپ گئی۔

"انجم! کیا آزادی من مانی کرنے کی مطلوب تھی؟" ضمیر نے سوال کیا تھا۔

"نہیں، آزادی تو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی مطلوب تھی۔" انجم نے فوراً جواب دیا۔

"یہ مطلب نئی نسل کو نہیں پتا، کیوں کہ ان کو بتایا ہی نہیں گیا، ہاں جشن منانا سکھایا گیا ہے، لہٰذا جدید طور کے تقاضوں کے عین مطابق نئی نسل جشن ہی مناتی ہے فقط۔!"

"بیٹا! یہ کہانی بھولنا نہیں، اپنے بچوں کو اسی درد کے ساتھ سنانا جیسے میں تمھیں سنا رہی ہوں۔" دادی اماں نے جھٹ سے تصور میں انٹری دے ڈالی تھی۔

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے دادی۔" وہ نئے عزم کے ساتھ کل کمرۂ جماعت میں جانے کے لیے تیار تھی۔

◆

جسم تو شاید پوری رات سویا رہا تھا، لیکن دماغ کو ایک گھڑی بھی نیند نصیب نہیں ہوئی تھی۔ پوری رات جیسی دادی کی سنائی گئی آزادی کی کہانیاں دماغ میں کسی فلم کی طرح چلتی رہی تھیں۔

اُن کہانیوں میں ماؤں کی آہیں تھیں، دوشیزہ کا خوف تھا، کیا کچھ نہیں کھویا تھا پاکستان پانے کے لیے، جان و مال کے ساتھ عصمتوں کی بھی قربانی دینی پڑی تھی۔

زیادہ دور کی تو بات نہیں ناں! ہمارے ہاں ہی آباؤاجداد تھے، وہ پھر ہم کیوں بھلا بیٹھے۔ کیا قربانی دینے اور دیکھنے والی نسل رخصت ہو گئی، اس لیے اب ہمارے پاس صرف جشن منا کر یہ دن گزارنا رہ گیا ہے۔

جو چیز جتنی مشکل اور تکلیف کے بعد ملتی ہے، اُس کی اتنی ہی قدر و قیمت ہوتی ہے پھر آزادی کی قدر و قیمت آج کے بچوں کو کیوں نہیں۔۔۔

اس لیے کہ ان کو پتا ہی نہیں کہ "کیسی آزادی" ہمارے بزرگ اور قائد چاہتے تھے۔ کیسی غلامی تھی جس کی زنجیر میں توڑنے کے لیے جوان بیٹے نہیں جوان بہو بیٹیوں کی عزتیں بھی داؤ پر لگی تھیں۔

لگتا ہے آزادی کی کہانیاں سنانے اور سمجھانے میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ انجم آہ بھر کر اٹھ بیٹھی تھی۔

◆

"14 اگست خوشی کے ساتھ شکرانے کرنے کا بھی دن ہے۔ سبز و سفید کپڑے پہن کر میری ساری پریاں جہاں خوشی منائیں گی، وہیں وہ دو رکعت شکرانہ بھی ادا کریں گی۔" انجم نے بچیوں کو بہت کچھ سمجھ کر آخر میں کہا۔

"ٹیچر کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب بھی کروں گی میں تو ان تمام شہداء کو جن کی قربانیوں کے بعد ہمیں پیارا پاکستان ملا۔" ایک بچی نے جوش سے کہا تھا۔

"میں اپنے گھر کے تمام بچوں کو بتاؤں گی کہ ہمیں من مانی کرنے کے لیے آزادی نہیں ملی، بلکہ کلمے والی زندگی گزارنے کے لیے آزادی ملی ہے۔ ہندو اور انگریز چاہتے تھے کہ ہم آقا ﷺ کے طریقوں والی زندگی نہ گزاریں، اس لیے وہ ہمیں تنگ کرتے تھے۔ اب اگر آزادی ہوتے ہوئے ہم اسلامی طور طریقوں والی زندگی نہ گزاریں تو پھر ہماری زندگی بے کار ہے۔" ایک اور بچی کا عزم قابلِ داد تھا۔ "انجم سن کر مسکرا دی۔

"جان، مال اور عزت کا تحفظ چاہیے تھا ہمیں۔ اب لازم ہے کہ ہم جان و مال کے ساتھ ساتھ اپنی عزت کو بھی معتبر سمجھیں۔ فیشن کے نام پر بے حیائی اور ہلے گلے کے نام پر اللہ کی نافرمانی نہ کریں اور یہ پیغام صرف یومِ آزادی کے لیے نہیں، بلکہ پوری زندگی کے لیے ہمارا اصول ہونا چاہیے۔ یومِ آزادی تو فقط تجدیدِ عہد کا دن ہے۔" ایک اور پری پکاری تھی۔

انجم کی روح تک سرشار ہو گئی۔ اسے ایک ہی دن بچیوں سے بات کر کے یقین ہو گیا تھا کہ

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہمیں نئی نسل کو وقت دینے کی ضرورت ہے۔ محبت اور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ والدین اور اساتذہ سے مل جائیں تو اُن کی سوچیں اور خیالات ویسے ہی ہوں گے جیسے ہم چاہیں گے۔ ان شاء اللہ!!

◆

موبائل استاد

مہوش اسد شیخ

"بھائی میری ڈکشنری نہیں مل رہی ہمارے سر نے کچھ مشکل الفاظ لکھوائے ہیں، ان کے معانی بتا دیجیے۔" سعد بھائی سے مخاطب تھا
"کمال کرتے ہو یار! موبائل سرہانے رکھ کر پریشان ہو۔" عمیر کی نظر میز پر رکھے موبائل پر پڑی تو مسکرا دیا۔
"یہ موبائل تو امی سے گیم کھیلنے کے لیے لیا ہے، امی نے اس شرط پر دیا ہے کہ پہلے ہوم ورک پورا کروں۔" سعد نے وضاحت دی۔
"گیم بعد میں کھیل لینا، پہلے اس سے اپنے معانی پوچھ لو۔" عمیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
"کیا مطلب؟" سعد عمیر کا منہ تکنے لگا۔
"بھئی، ادھر دو موبائل، میں سمجھاتا ہوں۔" سعد نے موبائل اس کے ہاتھ میں دے دیا۔
جھٹ پٹ موبائل میں ڈکشنری ڈاؤن لوڈ کر کے سعد کو تھما دیا اور اسے استعمال کرنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا۔
"واہ بھیّا! آپ نے تو کمال کر دیا۔" وہ چہک اٹھا تھا۔

◆◆◆

"بھیّا! علامہ اقبال کے مشہور اشعار تو سنائیے۔" سعد نے عمیر کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

عمیر نے ٹی وی کی آواز بند کرتے ہوئے شعر پڑھا۔
یہ تو میں لکھ چکا ہوں، کوئی دوسرا سنائیں۔ سعد کاپی پینسل لیے اس کے قریب بیٹھ گیا

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

"بہت خوب، مزید ارشاد فرمائیں۔" سعد شرارتاً کہتا ہوا جھک کر لکھنے لگا۔
"کتنے اشعار چاہییں؟ یار مجھے پروگرام دیکھنا ہے۔" عمیر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
"آج سر نے علامہ اقبال کے بیس اشعار لکھنے کے لیے کہا ہے۔ میں نے دس لکھ لیے ہیں، باقی آپ لکھوا دیجیے نا!" سعد التجائیہ لہجے میں بولا۔
"یار موبائل استاد سے مدد لو نا!۔"
"موبائل استاد...؟"
"ہاں بھئی، موبائل استاد... جاؤ امی کا موبائل لے کر آؤ۔ سمجھاتا ہوں تمہیں۔"
عمیر کے کہنے پر سعد بھاگ کر امی کا موبائل لے آیا۔ "یہ دیکھو! یہ ہیں گوگل انکل۔"
عمیر گوگل کھول کر سعد کو دکھانے لگا، تمہیں جو معلومات درکار ہوں، تم یہاں لکھو گے، میں لکھ رہا ہوں علامہ اقبال کے مشہور اشعار "یہ لو اشعار۔" عمیر نے مسکراتے ہوئے موبائل سعد کے ہاتھ میں دے دیا۔
"گوگل اردو بھی جانتا ہے؟" سعد کو تعجب ہوا۔
"جی، گوگل استاد سب جانتے ہیں۔" عمیر ہنسا۔
سعد خوشی خوشی اشعار لکھنے اور یاد کرنے لگا۔

◆◆◆

"سعد کیا کر رہے ہو؟" عمیر نے اسے موبائل میں مصروف دیکھا تو پوچھ لیا۔ "بھیّا! گیم کھیل رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔
"کون سا گیم؟" عمیر قریب چلا آیا۔
"یار اپنا ٹائم فضول گیم میں کیوں ضایع کرتے ہو۔ آؤ آج میں تمہیں کچھ گیم بتاتا ہوں جو تمہارے ذہن کے لیے بھی اچھے ثابت ہوں گے اور بوریت کا احساس بھی نہیں ہوگا۔" عمیر نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیا اور انگلیاں چلانے لگا۔
"یہ دیکھو! یہ ورڈ سکریبل گیم ہے، تمہیں الفاظ سے الفاظ بناتے چلے جانا ہے، پہلے لفظ کے آخری لفظ سے نیا لفظ بنانا ہے. اسی طرح یہ گیم چلتا رہے گا۔"
"یہ دوسرا گیم دیکھو!" عمیر نے دوسرا گیم کھولتے ہوئے کہا۔ پوری اسکرین پر انگریزی حروف لکھے ہوئے تھے۔ ان حروف کو غور سے دیکھتے ہوئے الفاظ ڈھونڈو۔
"یہ m_o_b_i_l_e موبائل بن گیا۔" سعد پہلا لفظ ڈھونڈتے ہی خوشی سے چیخا تھا۔
"ویری گڈ! تمہیں تو اک لمحے میں ہی سمجھ آ گئی ہے۔ لو مزید الفاظ ڈھونڈ کر دکھاؤ۔"
سعد موبائل لیتے ہی دل چسپی سے الفاظ ڈھونڈنے لگا، دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی الفاظ ڈھونڈ ڈالے۔ "پتا نہیں پہلے یہ گیم کہاں تھے؟" سعد افسوس کر رہا تھا۔
"گیم یہیں تھے، تم کہیں اور مصروف تھے۔"
عمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ سعد بھی مسکرا دیا۔

◆◆◆

"دیکھیے! سعد بگڑ رہا ہے، اس پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے، وہ اکثر میرا موبائل فون لے کر غائب ہو جاتا ہے۔ ایک دو بار ڈانٹا ہے، مگر وہ ضد کر کے لے لیتا ہے۔ جناب کہتے ہیں کہ میں پڑھ رہا ہوں، اونہہ...! بھلا ایسے ہوتی ہے پڑھائی... ماں کو پاگل بناتا ہے۔" کوثر بیگم (سعد کی امی) نے اس کے بابا (مسعود صاحب) کو اپنی پریشانی بتائی۔
"ہاں، یہ تو میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ وہ اب کتابوں کے ساتھ اکثر موبائل فون بھی لے کر بیٹھا ہوتا ہے، اگر یہی حال ہے تو سمجھو نکما ہو گیا۔ امتحانات کا نتیجہ صفر آنے والا ہے۔" مسعود صاحب بھی اب پریشان دکھائی دے رہے تھے۔
"آج آپ گھر پر ہیں، اسے سمجھائیے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔"
مسعود صاحب نے بچوں کے کمرے کا رخ کیا۔ کوثر بیگم بھی ان کے پیچھے ہو لیں۔

◆◆◆

"بھیّا، آپ کو پتا ہے! سر بدر میری بہت تعریف کر رہے تھے، کہہ رہے تھے کہ سعد پڑھائی میں بہت اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ ہوم ورک بھی پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں کر کے لاتا ہے۔ ٹیسٹ میں بھی میری کارکردگی بہت اچھی رہی ہے۔"
سعد کی آواز سن کر مسعود صاحب کے قدم رک گئے۔ دونوں میاں بیوی نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"تم نے کہہ دینا تھا نا کہ میں نے ٹیوشن پڑھنی شروع کر دی ہے، موبائل استاد سے---" عمیر نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔
نہیں! میں نہیں بتاؤں گا کسی کو، ایسے تو وہ بھی موبائل استاد سے مدد لینا شروع کر دیں گے۔ وہ فضول گیم میں اپنا وقت ضایع کرتے رہیں اور میں ٹاپ کر جاؤں۔ کتنا مزہ آئے گا نا! سعد کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔
"بری بات ہے سعد! ایسا نہیں سوچتے۔ تمہیں بر وقت بہتر رہنمائی مل گئی، اس بات پر شکر کرو اور اپنے دوستوں کو بھی موبائل کے مضر اثرات سے بچانے کے لیے ان کی رہنمائی کرو، اگر تمہارے سمجھانے پر کوئی راہِ راست پر آ گیا تو سمجھو وہ تمہارے لیے صدقہ جاریہ بن گیا۔"
عمیر کی باتیں سن کر دروازے کے باہر کھڑے والدین نے دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کیا کہ اللہ پاک نے ان کے بیٹوں کو موبائل جیسی ایجاد کے بہتر استعمال کی توفیق عطا فرمائی۔

آزادی کا جشن

ام محمد عبداللہ

”ڈیڈ ! ! ! کل 14 اگست ہے۔ جشنِ آزادی کے لیے پیسے دے دیں ناں۔“ خاور صاحب سے ان کا بیٹا دانش فرمائش کر رہا تھا۔

”اچھا بھئی !“ انھوں نے محبت بھری نگاہ بیٹے پر ڈالی۔ ”یہ لو ہزار روپے“ انھوں نے جیب سے ہزار کا نوٹ نکالا۔ دادا جان نے بغور بیٹے اور پوتے کو دیکھا۔ جو خاور صاحب کے بے حد اصرار پر گاؤں سے ان کے پاس علاج کے لیے آئے تھے۔

”بس ایک ہزار ؟۔“ ”ان پیسوں سے تو صرف جھنڈا اور جھنڈیاں ہی آئیں گی، چراغاں اور آتش بازی کا سامان کیسے آئے گا؟ اور وہ میوزک کنسرٹ۔ میری پسند کے سب ہی سنگرز ہوں گے کنسرٹ میں۔ ہم سب دوست جائیں گے۔ اتنا ایکسائٹنگ پروگرام بنایا ہے ہم نے اور آپ کی وجہ سے یہ خاک میں مل رہا ہے۔

چھوٹے بیٹے ولید نے دہائی دی۔

”اچھا! یہ ہزار اور رکھ لو۔“

”یہ تھوڑے ہیں۔“ دانش نے منہ بنایا۔

”مام ! اتنے ہی آپ دیں تو کچھ گزارہ ہو سکتا ہے۔“ ولید قریب بیٹھی اپنی امی کی طرف مڑا۔

”اچھا! میں دیتی ہوں، لیکن میں تم دونوں کا امتحان میں اے پلس گریڈ چاہتی ہوں۔“ امی نے اپنا فیصلہ سنایا۔ ”اوکے۔“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

اب دونوں بھائی پروگرام بنانے لگے۔ دادا جان کی توجہ بچوں پر ہی تھی۔

دانش کہہ رہا تھا۔ ”چلو خریداری کے لیے۔ چہرہ رنگنے کے لیے رنگ، سروں پر باندھنے کے لیے تیز رنگوں والے بینڈ، انار پٹاخے آتش بازی کا سامان یہی چیزیں ہیں نا۔ دیکھنا کچھ رہ نہ جائے۔“ دانش نے ولید سے کہا۔

”ہاں بھیا! واپسی پر آپ کے دوست فرحان سے بھی ملتے آئیں گے، بغیر سائلنسر والے موٹر سائیکل تو فرحان اور اس کے بھائیوں ہی کے پاس ہوتے ہیں۔ کتنا مزہ آئے گا نا!۔“

ہاں بھئی ! جیسے ہی رات کے بارہ بجیں گے ہمارا جشن شروع ہو جائے گا۔ تیز میوزک، فاسٹ فوڈ اور پیپسی ! ! ! دادا جان کو لگا جیسے ان کے پوتے انگریزوں سے آزادی کی نہیں بلکہ اخلاق سے آزادی کی خوشیاں منانے کا منصوبہ بنا رہے ہوں۔ دادا جان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ دل میں شدید ٹیس اٹھی۔

”خاور ! خاور ! ! ! انھیں بتاؤ، بتاؤ انھیں، سینے پر ہاتھ رکھے۔“ دادا جان گویا ضبط کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے۔

”کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ ابا جان۔“ بہو اور بیٹا پریشان ہو کر ان کی جانب لپکے۔

”غضب ہو رہا ہے خاور۔ تمہارے بچے جشن منانے نہیں، قربانیوں کی سیج پر بھنگڑے ڈالنے جا رہے ہیں ! ! !“

”ابا، یہ تو خوشی کا موقع ہے، ایک ہی دن کی بات ہے۔ بچے خوش ہو جائیں گے۔“ خاور نے ابا جان کو جھوٹی تسلی دی۔

نہیں خاور ! بچوں کو وہ سب بتاؤ ناں جو میں نے تمہیں بتایا تھا، تحریک آزادی کی لازوال دل ہلا دینے والی جدوجہد، وہ حقائق، غمِ روزگار میں تم نے کیوں بھلا دیے؟ خاور انھیں تحریک آزادی کی داستان تو سناؤ۔ انھیں بتاؤ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے رات بھر گالیاں دیتے ہوئے جیل میں ڈالا اور صبح ناشتے میں اس کے بیٹے اور پوتوں کے سر کاٹ کر اسے پیش کیے۔ انہیں بتاؤ یہ آزادی ڈھول اور طبلے کے سازوں پر نہیں ملی ہمیں۔ انھیں بتاؤ یہ آزادی ہمیں پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے وعدے پر ملی ہے۔ اس کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں ہزاروں مسلمان بچیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ اور خاور یہ بھی بتاؤ کہ 1857 سے لے کر 1947 تک کتنے علما و مشائخ اور عام مسلمان پھانسیاں چڑھائے گئے۔ کتنے جوانوں کی ہڈیاں انگریز سرکار کی جیلوں میں گل گئیں۔ بتاؤ انھیں علّامہ فضل الحق خیر آبادی نے مٹی کے ٹوکرے کیوں اٹھائے؟ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کی گردن کاٹ کر دہلی کے چاندنی چوک میں کیوں لٹکائی گئی؟ بتاؤ انھیں جب علما نے انگریز کے خلاف جہاد کو فرض قرار دیا تو انگریز سرکار نے انھیں توپوں کے منہ پر باندھ کر توپیں چلا دی تھیں۔ یہ آزادی پلیٹ میں سجا کر نہیں دی گئی ہمیں کہ ہم اس کا جشن ہلڑ بازی کر کے منائیں۔

مام اور ڈیڈ کے چہروں پر شرمندگی کے تاثرات بتا رہے تھے کہ انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ کتنی قربانیاں دے کر، اپنے رب سے اسلامی مملکت کے قیام کے وعدے کے ساتھ یہ خطۂ ارضی ہم نے مانگا ہے۔

یقین جانو اگر ہم پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ کا نعرہ نہ لگاتے تو پاکستان کبھی بھی جغرافیائی حقیقت بن کر سامنے نہ آتا۔

یہ تو پہاڑوں سے نمودار ہونے والی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی مانند ایک معجزہ ہے اور جو اس کی قدر و قیمت نہیں پہچانے گا یا اسے نقصان پہچانے کی کوشش کرے گا، وہ سخت خسارے میں مبتلا ہو گا۔

میں اپنے بچوں کو خسارے میں نہیں دیکھ سکتا۔ دادا جان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔

دادا جان ہسپتال کے بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔ خاور صاحب بیگم اور بچوں کے ہم راہ ان کے پاس موجود تھے۔ دادا جان نے آنکھیں کھول کر بچوں پر نگاہ ڈالی۔

”دادا جان ! آپ کو یومِ آزادی مبارک ہو۔“ ولید نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ دادا جان نے منہ دوسری جانب پھیر لیا تھا۔ دادا جان اس روز ہم نے آپ کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ یقین جانیے ! ہم سمجھ گئے ہیں کہ یومِ آزادی منانا بے ہنگم شور شرابے کا نام نہیں ہے۔ جشنِ آزادی تو وطن سے محبت اور وطن کی تعمیر کا نام ہے۔ وطن سے محبت سروں پر بھڑکیلے بینڈ باندھ کر، بغیر سائلنسر کے موٹر سائیکل چلانے میں نہیں ہے۔ یہ تو ہم وطنوں میں دوستی، بھلائی، بھائی چارہ اور محبت قائم کرنے کا نام ہے۔ دادا جان آج صبح ہم سب نے فجر کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کی ہے۔ اپنے وطن کی سلامتی اور اپنی ہدایت کی دعائیں کی ہیں ہمارے پاس جو پیسے تھے ہم نے ان کے پھل اور تحائف لے کر اپنے علاقے کے سرکاری ہسپتال کے مریض بچوں میں بانٹے ہیں۔ بچے دادا جان کو اپنے جشنِ آزادی کی تفصیل بتا رہے تھے۔ گھر کے قریب جو پارک ہے، اسے ہم سب دوستوں نے مل کر صاف کیا اور اس میں پودے بھی لگائے ہیں دادا جان۔ ہم سمجھ گئے ہیں کہ جشنِ آزادی کا مطلب ہے پاکستان سے محبت، پاکستان کی تعمیر ہے۔ دادا جان نے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ دانش اور ولید کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے امید بھرے لہجے میں ہونٹ ہلائے ! !

”ہاں ! یہ تم نے ٹھیک کیا۔ بڑا سا پرچہ لے آئے۔ چلو اب اس پر بڑا بڑا لکھ دو“ گھر برائے فروخت ”اور آج رات ہی یہ کاغذ اسلم کے گھر کی دیوار پر چپکا دو۔ اسلم اور اس کے گھر والوں کے واپس آنے سے پہلے یہ کام ہو جانا چاہیے۔ کوئی غلطی ہوئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“ خالہ چھک چھک نے 13 سالہ وسیم سے کہا۔

اگلے روز چھٹی کی وجہ سے لوگ دیر سے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ اسلم کے گھر پر ”گھر برائے فروخت“ کا پوسٹر لگا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اب جتنے منہ تھے اتنی باتیں۔ ہر کوئی اپنی سوچ بیان کر رہا تھا۔ اتنے میں خالہ چھک چھک کا دروازہ کھلا اور ان کی ٹرین چلنا شروع ہو گئی۔

”اسلم حیدر آباد گیا ہے، دوسرے جہاں نہیں سدھار گیا، جو تم لوگوں کو اس قدر فکر ہو رہی ہے۔ آئے گا تو خود پوچھ لینا یہ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اور کیسے ہے؟ تم لوگوں کو بس موقع ملنا چاہیے کسی بات کا اور جھمگٹا لگا کر کھڑے ہو جاتے ہو۔“ خالہ کی بات پر تبصرہ کرنا ”آ بیل مجھے مار“ کے مترادف تھا۔ اس لیے سب چپ رہے۔ اور اپنے اپنے گھروں کی جانب بڑھ گئے

(دو دن بعد)

”اسلم بھائی ! گھر بیچنے کا سوچ لیا۔ ہمیں تو بتایا نہیں۔ ویسے اس گھر میں کیا مسئلہ تھا؟“

محلے کی گلیاں تنگ ہونے کی بنا پر گاڑیاں مشکل سے وہاں آتی تھیں۔ اسلم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سامان سے لدا گاڑی سے اتر کر گھر کی جانب چلا تو فرّخ نے سلام کرتے ہی فوراً سوال داغا۔

”کیا لاٹری لگی ہے جو نیا گھر لینے کا سوچ لیا؟“ عارف بھی اسے دیکھ کر لپکا۔

”کیا ہو گیا ہے ؟ آپ گھر بیچ رہے ہیں۔ مجھے بتایا تک نہیں۔“ اسلم کی بیوی نے ہاتھ میں پکڑا تھیلا وہیں زمین پر پھینک کر اونچی آواز میں غصے سے کہا۔

”ابو ! ہم تو اپنے گھر کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔“ بچے بھی چلا کر ماں کا ساتھ دینے لگے۔

”پاگل ہو گئے ہو تم سب۔۔۔ میں کیوں بیچوں گا اپنا گھر؟“ اسلم نے بمشکل کہا۔ وہ صورتِ حال سمجھنے سے قاصر تھا۔

”تو مکان برائے فروخت کا اشتہار کیوں لگوایا؟“ ناصر پوچھ رہا تھا۔

”کون سا اشتہار؟ میں کیوں کروں گا ایسا؟“ اسلم نے اب پریشانی سے پوچھا۔

”اشتہار بھی لگوا دیا مجھ سے پوچھے بغیر ! ! یہی میری اہمیت رہ گئی۔“ ان کی بیوی نے اب کے چلاتے ہوئے کہا۔

”چپ کر جاؤ تم۔ میں دیکھتا ہوں کیا معاملہ ہے۔“ پسینے سے شرابور اسلم نے کہا۔

اسلم نے پہلے غور سے اشتہار دیکھا اور پھر اس کو اپنی دیوار سے ہٹانے لگا۔ کاغذ دیوار سے پوری طرح چپکا ہوا تھا۔ اسلم کو بہت مشکل پیش آ رہی تھی۔

”کس کی حرکت ہے یہ؟ میرے گھر کو۔۔۔“ غصے کی وجہ سے الفاظ اس کے منہ سے نکلنے کے بجائے کچھ اور ہی منہ سے نکل رہا تھا۔

”شور سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ آ گیا اسلم، ویسے محلے کے شرارتی بچوں نے نام ٹھیک ہی رکھا ہے میرا چھک چھک، اب مجھے ہی اپنی ٹرین لے کر اس کے سامنے جانا ہو گا، تب ہی یہ چپ ہو گا۔“ ساٹھ سالہ پتلی دبلی خالہ چھک چھک کی زبان تو تیز چلتی ہی تھی، اس کے ساتھ ساتھ وہ بلا کی پھرتیلی بھی تھیں۔

”جواب کیوں نہیں؟ کس کی ہمت ہوئی یہ کرنے کی؟“ محلے کے اکثر افراد وہاں جمع ہو چکے تھے۔ اسلم کے غصے کی وجہ سے ان سب کو ہی سانپ سونگھ گیا تھا۔ سب ہی ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ شاید مجمع میں سے کوئی نکل کر آ جائے اور اس غلطی کو اپنے سر لے لے۔

”کیوں اتنا شور مچا رکھا ہے اسلم ! اس قدر خراب گھر ہے۔ دیواروں کا پلستر اتر رہا ہے۔ بارش ہو تو پانی رِستا ہے۔ کتنے تو نل خراب ہیں۔ اتنا خرچہ ہو گا، اگر مرمت کرواؤ گے۔ اچھا ہے گھر بیچ دو کسی اور اچھے گھر میں جا کر رہو۔ اس گھر میں رکھا ہی کیا ہے۔“ خالہ چھک چھک کہہ رہی تھیں۔

”خالہ ! آپ بیچ میں مت آئیں۔ یہ گھر میرے بابا نے بہت محنت سے بنایا تھا۔ ان کے خون پسینے کی کمائی اس میں شامل ہے۔ یہ گھر چاہے جیسا بھی ہے۔ میرا اپنا ہے، جس نے بھی یہ پوسٹر۔۔۔“ خالہ کی باتیں اس وقت جلتی پہ تیل کا کام کر رہی تھیں۔

”ارے بھئی ! یہ میں نے لگوایا تھا۔ اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟“ خالہ نے اتنے آرام سے کہا کہ سب دنگ رہ گئے۔

”آپ۔۔۔ مطلب۔۔۔ آپ۔۔۔ نے کیوں کیا ایسا؟“ اسلم کی حیرت بھری آواز ابھری۔

”بقول تمہارے اس ملک کو بیچ دینا چاہیے۔ اس میں کچھ نہیں رکھا جب کہ اس ملک میں تو خون پسینے کی کمائی کے ساتھ ہمارے آباؤ اجداد کا حقیقی خون بھی شامل ہے۔ اب یہ ملک جیسا بھی ہو ہمیں اپنی جان سے پیارا ہے۔ کوئی اسے کچھ کہے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ بالکل ایسا ہی سلوک کریں گے، جیسے تم اس وقت کر رہے ہو۔“ جانے سے پہلے اسلم نے خالہ چھک چھک کے سامنے ملک کو جی بھر کے برا بھلا کہا تھا۔ اس پہ خالہ اس وقت تو خاموش ہو گئی تھیں، مگر انھوں نے اسلم کو سبق سکھانے کا سوچ لیا تھا۔

”خالہ ! میرے کہنے سے کون سا ملک بک جاتا۔۔۔ آپ۔۔۔“ اسلم حیرت سے گنگ انھیں دیکھ رہا تھا۔ باقی سب لوگ بھی خالہ کی باتیں سمجھ رہے تھے، کیوں کہ اکثر اپنے وطن کی برائی کرنا اسلم کی عادت میں شامل ہو چکا تھا۔

”تو میرے اشتہار لگوانے سے کون سا تمہارا گھر بک گیا؟ دیکھو ! وہیں کا وہیں ہے۔ کیا فرق پڑا گھر پہ ؟ تکلیف تو تمہیں ہوئی۔ اس ہی طرح پاکستان کو برا کہنے سے ملک کا نقصان نہیں، مگر جن لوگوں نے اس ملک کے لیے قربانیاں دی ہیں، ان کی روحوں کو تکلیف ہو گی۔ ہم کچھ کر نہیں کر سکتے، مگر اتنا تو کر ہی سکتے ہیں، جتنا اپنے گھر سے محبت کرتے ہیں، اتنا ہی اس ملک سے محبت کریں۔ باقی اچھے برے حالات تو ہمارے اعمال کی بدولت چلتے ہی رہیں گے۔“ خالہ چھک چھک کی چلتی ٹرین آج کسی کو بری نہیں لگ رہی تھی۔ ان کی باتوں پہ ہنستے لوگوں کی آنکھیں آج نم ناک تھیں۔ خالہ نے مزید کچھ کہنے کے بجائے گھر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ وہ اسلم کے ساتھ باقی سب کو بھی بہت کچھ سکھا چکی تھیں۔

اپنا گھر

انعم توصیف

مینا اور جشن آزادی

سائرہ شاہد

"مینا شہزادی! اُٹھ جایئے فجر ہو گئی ہے۔" امی کی شفقت بھری آواز مینا کے کانوں میں پڑی تو اس نے تکیہ اٹھا کر اپنے دونوں کان ڈھانپے اور بڑبڑائی: "خاک شہزادی، چھٹیوں میں بھی کوئی سکون سے نہیں سونے دیتا۔"

امی نے دوبارہ آواز لگائی: "کچھ دیر بعد آپ کے دادا دادی بھی آجائیں گے ہمیشہ کی طرح ان سے پاک وطن کی داستانیں سن کر ہی جشن آزادی منایا جائے گا۔"

مینا دوبارہ بڑبڑائی: "ہونہہ پاک وطن؟"

لیکن امی جا چکی تھیں۔ مینا کو اپنے گھر میں ہونے والی کوئی بات پسند نہیں تھی۔ اسے کوئی کام کرنے کا کہا جاتا یا کسی غلط بات سے روکا جاتا تو وہ بہت تنگ ہوتی تھی۔ اپنا گھر اسے قید خانہ لگتا تھا، وہ ہمیشہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر اپنے آپ سے بات کیا کرتی تھی۔

"کاش میں یہ گند بھرا ملک اور یہ قید خانہ چھوڑ کر کہیں دور چلی جاتی۔ ایک نئی اور صاف ستھری دنیا میں میرا گھر ہوتا جہاں میں شہزادی بن کر زندگی گزارتی۔"

ایک دن مینا ہمیشہ کی طرح اپنی خواہشات دہرا رہی تھی اور پیاس محسوس ہوتے ہی اپنے پاس رکھا پانی اٹھا کر پیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد اس کا قد چھوٹا ہو گیا اور مینا بیڈ پر ہی حیران و پریشان کھڑی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اچانک دو بڑے سے چوہے اس کے سامنے آئے اور اسے اپنے بل میں گھسیٹ کر لے گئے۔ بل کے اندر ایک نئی دنیا آباد تھی جہاں بہت سارے چوہے چل پھر رہے تھے اور مینا کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک فوجی چوہا آگے بڑھا اس کی ٹوپی پر "چنٹو" لکھا ہوا تھا۔ وہ مینا کو ایک محل میں لے گیا جہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ چنٹو نے ننھا سا تاج مینا کی طرف بڑھایا اور بولا: "چوہستان میں خوش آمدید شہزادی! آج سے یہ تاج آپ کی ملکیت ہے اور ہم آپ کے غلام ہیں۔"

مینا نے جلدی سے تاج کو اپنے سر پر سجایا اور پھر محل میں بھاگ دوڑ ہوتی نظر آئی۔ فوجی وردی پہنے دو چوہوں نے ایک بیمار سے چوہے کو پکڑ رکھا تھا۔ ایک چوہا بولا:

"شہزادی صاحبہ! یہ چوری کرتے پکڑا گیا ہے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجیے۔"

لیکن مینا نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا۔ چور چوہا جلدی سے وہاں سے بھاگ گیا جب کہ چنٹو اور باقی چوہے غصہ ہو گئے۔

"یہ آپ نے بہت غلط کیا، اب چوہستان میں فساد ہوگا۔" چنٹو نے کہا۔

سارے چوہے وہاں سے چلے گئے جب کہ مینا سکون سے سو گئی۔ اس طرح کوئی بھی سزا کا حق دار چوہا محل میں لایا جاتا تو مینا اسے چھوڑ دیتی اور باقی چوہوں کے ساتھ ناانصافی کرتی تھی۔ ایک دن محل میں شور ہوا تو مینا نے جلدی سے باہر نکل کر دیکھا۔ ایک میلا کچیلا چوہا وہاں موجود تھا، جس کے جسم پر ننھے کپڑوں کے ٹکڑے لگے تھے اور اس کے آنے سے سارے محل میں کچرا پھیل گیا تھا۔ مینا نے بلند آواز سے کہا: "تم نے محل کو خراب کرنے کی جرات کیسے کی؟ ابھی پورا محل صاف کرو۔"

لیکن چوہا اپنے دانت نکال کر ہنسنے لگا اور پھر بولا: "تم کون ہوتی ہو مجھے روکنے والی؟ میں چوہستان کا بادشاہ پچونا ہوں اور ابھی تمھاری گستاخی پر قید کی سزا سناتا ہوں۔"

پچونا کی بات سُن کر مینا ڈر گئی، وہ وہاں سے بھاگنے ہی لگی تھی کہ دو سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔ مینا چلائی: "میں شہزادی ہوں، مجھے چھوڑو۔"

لیکن سب چوہے ہنسنے لگے۔ چنٹو چوہے نے کہا: "یہ وہی چوہا ہے جسے آپ نے چوری کی سزا نہیں دی تھی۔ اب اس نے سارے چوہستان کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی حکومت بنالی ہے۔"

چنٹو کی بات سُن کر مینا کی رونے والی حالت ہو گئی، وہ جلد سے جلد اپنے گھر جانا چاہتی تھی لیکن اسے چوہستان کے محل میں نوکر رکھ لیا گیا۔ وہ روز وہاں جھاڑو لگاتی اور بچا کچا کھانا کھایا کرتی تھی۔ چوہستان میں اتنی گندگی تھی کہ مینا کا سانس لینا بھی مشکل تھا، وہ اپنے منہ کو ایک ہاتھ سے ڈھانپ کر رکھتی اور ایک ہاتھ سے جھاڑو لگاتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنے گھر واپس کیسے جائے۔

"میرا پیارا وطن پاکستان اور میرا پیارا گھر اس چوہستان سے کئی درجے اچھا تھا۔ میرے پیارے اللہ جی! مجھے معاف کر دیجیے، مجھے پتا چل گیا ہے کہ میرا وطن اور میرا گھر بہت بڑی نعمت ہے۔ میرا گھر میری جنت ہے جب کہ یہ دنیا کسی جہنم سے کم نہیں۔"

ایک دن مینا نے اپنی عادت کے مطابق اپنے آپ سے باتیں کرنا شروع کر دیں اور پھر اللہ سے دعا کرتے کرتے زور زور سے رونے لگی۔ اگلے دن محل میں پھیلی گندگی مزید بڑھ چکی تھی اور مینا صفائی کرتے کرتے بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے بستر پر موجود تھی۔ اس کا قد بھی اپنی اصلی حالت میں آچکا تھا، لیکن چوہستان کی بدبو اب بھی موجود تھی جو اس کے کپڑوں سے آ رہی تھی۔ اس کے پاس ایک کاغذ رکھا تھا، مینا نے کاغذ اٹھا کر دیکھا: "آداب شہزادی مینا! ہر کوئی اپنے گھر میں ہی اصل بادشاہ اور شہزادہ یا شہزادی ہوتا ہے۔ آپ کی ناشکری دیکھ کر ہم نے آپ کے پانی میں جادوئی گولی ڈال دی تھی جسے پی کر آپ چھوٹی ہو گئی۔ امید ہے کہ نئی دنیا کا مزہ چکھ کر آپ کو افاقہ ہوا ہو گا۔ روز روز آپ کی بڑبڑاہٹیں سننے والے دو شرارتی چوہے "ٹنکو اور پنکو"

مینا نے چوہوں کا خط پڑھا اور جلدی سے واش روم کی جانب بھاگی۔ وہ نہا کر آئی تو امی نے دروازہ کھولا اور مینا کو آئینے کے سامنے بال بناتے ہوئے پایا: "جشن آزادی مبارک ہو میری شہزادی!"

امی کی محبت بھری آواز آئی تو مینا بھاگ کر امی سے گلے ملی اور کہا: "جشن آزادی بہت بہت مبارک ہو امی جان!"

امی کو خوشگوار حیرت ہوئی کہ مینا اس سال پاک وطن کی سال گرہ کیسے منا رہی ہے؟ وہ بھی اتنی خوشی سے۔

انھوں نے مینا کو پیار کیا اور نیچے آنے کا حکم دیا کیوں کہ دادا دادی آنے والے تھے جب کہ مینا کو پتا چل گیا کہ وہ چوہستان میں کئی دن گزار کر آئی لیکن یہاں صرف کچھ منٹ ہی گزرے تھے۔

گھونگھے میاں کا خواب

نشا وقار

یہ کہانی ہے گھونگے میاں کی، جن کے دوست پروانے تھے جو ہوا کے سنگ منٹوں سکینڈوں میں بلندی پر پہنچ جایا کرتے تھے، بلندی پر پہنچنا اور وہاں سے پورے جنگل کا نظارہ کرنا تو گھونگے میاں کا وہ خواب تھا، جیسے وہ اس وقت سے دیکھتے آرہے تھے، جب وہ منہ میں انگھوٹھا لیے پالنے میں لیٹے جھولا جھولا کرتے تھے اور ان کی نگاہیں آس پاس اڑتے پروانوں، شہد کی مکھیوں اور رنگ برنگی تتلیوں پر ہوتی تھیں۔ رات میں جگنو انھیں اپنا دیوانہ بنائے رکھتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اونچائی کے ہی خواب دیکھے تھے۔ اس لیے ان کے دوست بھی اڑنے والے حشرات ہی تھے، جو لمحوں میں اڑتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جایا کرتے تھے۔ گھونگے میاں حسرت سے انھیں دیکھتے اور سرد آہ بھر کر رہے جاتے، جیسے جیسے گھونگے میاں بڑے ہوتے جا رہے تھے، ویسے ویسے ان کی بلندی پر پہنچنے کی خواہش بھی شدّت اختیار کرتی جا رہی تھی، جب تتلیاں رنگ برنگے پھولوں کے قصے سناتی اور شہد کی مکھیاں رس دار پھلوں کے گیت گنگناتی تو گھونگے میاں کا دل مچل مچل جاتا اور ان کی اونچائی سے جنگل دیکھنے کی خواہش مزید بڑھ جاتی، لیکن جس سے بھی وہ اپنی خواہش کا اظہار کرتے وہ تمسخر سے انھیں دیکھتا اور قہقہے لگاتا ہوا آگے بڑھ جاتا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ اب ان کی یہ خواہش حسرت میں بدلتی جا رہی تھی۔ ان کی خواہش کو ان کے گھر والے دیوانے کا خواب کہا کرتے تھے۔

وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا۔ اگست کا مہینہ تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھی۔ آسمان پر بادل آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ رات ہونے والی بارش کے باعث گھونگے میاں کے دوست پروانے کافی عرصے بعد ان سے ملنے آئے تھے۔ گھونگے میاں ان سے بات کم کر رہے تھے، انھیں حسرت اور رشک سے دیکھ زیادہ رہے تھے کہ وہ کس برق رفتاری سے زمین سے آسمان کی طرف اور آسمان سے زمین کی طرف آ جا رہے تھے، جب وہ چلے گئے تو گھونگے میاں نے بڑی حسرت سے ناریل کے درخت کو دیکھا، جس کی جڑ میں گھونگے میاں کا گھر تھا اور گلوگیر لہجے میں اس کی سب سے اونچی شاخ سے کہنے لگے:

"اے آسمان کو چھوتی ہوئی بلند و بالا شاخ! میری شدید خواہش ہے کہ میں کسی دن تم تک پہنچوں اور بلندی کا مزہ لوں، رنگ برنگے پھولوں اور رس دار پھلوں کو دیکھوں، برستی بارش میں جنگل کی خوب صورتی کو میں نے ہمیشہ اپنے دوستوں سے سنا ہے، میں اس خوب صورتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں، ہائے افسوس! میں جانتا ہوں کہ میرا یہ خواب ہمیشہ خواب ہی رہے گا اور میں کبھی تم تک نہیں پہنچ سکوں گا..." یہ کہہ کر گھونگے میاں زار و قطار رونے لگے۔ گھونگے میاں کے آنسو ناریل کے درخت کی جڑوں میں گرے تو درخت نے تڑپ کر ہواؤں سے درخواست کی کہ وہ اتنی زور سے چلے کہ درخت کی سب سے لمبی شاخ ہوا کے بوجھ سے زمین پر جھک جائے، تاکہ گھونگے میاں آسانی سے اس پر چڑھ کر بلندی سے پورا جنگل دیکھ سکیں، جس پر ہوا نے درخت سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ اگر انھوں نے آج گھونگے میاں کی مدد کر دی تو گھونگے میاں ساری زندگی اپنے ہر کام کے لیے دوسروں کے محتاج رہیں گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے گھونگے میاں خود کوشش کریں۔ اللہ بھی انھی کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ درخت کی جڑ میں بیٹھ کر رونے سے اور حسرت سے بلندی کو دیکھنے سے کبھی بلندی نصیب نہیں ہو گی، بلکہ بلندی تک پہنچنے کے لیے انھیں خود ہاتھ پاؤں مارنا پڑیں گے۔ ہوا کی بات سن کر گھونگے میاں اور زور و شور سے رونے لگے اور بولے: "میری تو چلنے کی رفتار ہی 0.001 کلو میٹر فی گھنٹا ہے، اگر اسی رفتار سے بلندی کی جانب چلا تو سالوں لگ جائیں گے، لیکن مجھے بلندی نصیب نہیں ہو گی..." یہ کہہ کر گھونگے میاں دوبارہ زور و شور سے رونے لگے۔ گھونگے میاں کے آنسو دیکھ کر ہواؤں کا دل بھی پسیج گیا اور وہ تھم کر گھونگے میاں کے پہلو میں آکر بیٹھ گئیں... "گھونگے میاں! تاریخ گواہ ہے، منزلیں انھیں کو ملتی ہیں جو ہمت اور حوصلے سے خود پر اعتماد کر کے آگے بڑھتے ہیں، کسی بھی قسم کی کوئی مجبوری ان کے عزم و یقین کے درمیان کبھی رکاوٹ نہیں بنتی، جنہیں اپنے خواب پورے کرنے ہوتے ہیں، وہ لفظ کو اپنی زندگی سے نکال دیتے ہیں۔ وہ چلتے ہیں، آگے بڑھتے ہیں، تھکتے ضرور ہیں، لیکن تھمتے نہیں ہیں، بس چلتے ہیں اور چلتے ہی چلے جاتے ہیں اور بالآخر ایک دن منزل ان کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے..." ہواؤں کی حوصلہ افزائی نے واقعی کام کر دکھایا اور گھونگے میاں نے اسی وقت اپنا سامان باندھا، زمین اور اپنی برادری والوں پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور چل پڑے اپنی منزل کی جانب......

کئی سالوں بعد ایک دن ہوائیں جنگل سے گزر رہی تھیں کہ ان کی نظر ناریل کے درخت پر پڑی، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ناریل کے درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر ایک بوڑھا گھونگا بیٹھا آنکھوں میں دوربین لگائے جنگل کا نظارہ کر رہا ہے، اسے دیکھ کر ہواؤں کو گھونگے میاں کا خیال آیا تو انھوں نے اس بوڑھے گھونگے سے گھونگے میاں کے بارے میں دریافت کیا، جس پر بوڑھا گھونگا قہقہے لگا کر ہنس پڑا، ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آگیا، بڑی مشکل سے ہنسی روک کر اس نے ہوؤاں کو بتایا کہ وہ وہی ننھا گھونگا ہے، جس کی سالوں پہلے ہواؤں نے حوصلہ افزائی کی تھی، جس وجہ سے وہ آج بڑھاپے میں ہی سہی اپنی منزل حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا ہے۔ اپنی سست رفتاری کے باعث وہ بچپن میں اپنی منزل حاصل کرنے کے لیے نکلا تھا اور کہیں رکا نہیں تھا، ہمت نہیں ہاری تھی، چلتا رہا تھا اور آج واقعی بلندی اس کے قدموں کے نیچے تھی......

سچ ہی کہتے ہیں:

"...ہمتِ مرداں مددِ خدا..."

صفائی نصف ایمان ھے

سویرا فلک

نمرہ اسکول سے گھر آئی تو آتے ہی حسبِ معمول اس نے بیگ بستر پر پھینکا اور ساتھ ہی جوتے موزے بھی ہوا میں اچھال دیے، جواب اُلٹے سیدھے فرش پر پڑے تھے، پھر اس نے بیگ سے لنچ بکس نکالا اور بچا ہوا لنچ نکال کر کھانے بیٹھ گئی، ساتھ میں ٹی وی بھی کھول لیا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ نمرہ کی امی جو خود کسی دوسرے اسکول میں ٹیچر تھیں، وہ بھی گھر واپس آگئیں، اپنا پرس جگہ پر رکھ کر وہ نمرہ کے کمرے میں آئیں تو انھیں نمرہ کو یونیفارم میں دیکھ کر اور کمرہ پھیلا دیکھ کر شدید غصہ آیا، مگر انھوں نے بمشکل خود پر قابو پایا اور پھر آگے بڑھ کر پہلے ٹی وی بند کیا اور پھر نمرہ سے مخاطب ہوئیں۔

”نمرہ تمھیں کتنی بار سمجھانا پڑے گا کہ اسکول سے آکر سب سے پہلے یونیفارم بدل کر منہ ہاتھ دھو پھر کچھ کھاؤ پیو اور تم ماشاء اللہ اب چھٹی کلاس میں آگئیں، مگر تمھیں چیزیں ڈھنگ سے رکھنے کی تمیز نہیں۔ بیگ کہیں ہے تو جوتے کہیں۔ بیگ میں وہ کتابیں ہیں جن پر اللہ اور نبی ﷺ کے نام لکھے ہیں، جو تمھیں علم سکھاتی ہیں، مگر تمھیں ان کا کوئی ادب احترام نہیں اور یہ باقی سب چیزیں تو صبح ڈھونڈتی پھرو گی۔“

امی کی باتیں سن کر نمرہ نے سر جھکا لیا اور انھوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا: ”چلو! اب یہ سب سمیٹو، نہا دھو کر آؤ، جب تک میں بھی فریش ہو لوں اور کھانا گرم کر کے رکھوں پھر ہم نماز پڑھ کر کھانا کھائیں گے۔“ امی یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں تو نمرہ نے منہ بناتے ہوئے جیسے تیسے چیزیں سمیٹیں اور نہانے دھونے کے بجائے صرف منہ ہاتھ دھو کر باہر آگئی۔

نمرہ ان لاپرواہ اور سست بچوں میں سے تھی، جن کا صفائی اور سلیقے سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔ نمرہ کی امی خود بھی ایک اسکول ٹیچر تھیں، وہ گھر اور ملازمت دونوں کی ذمہ داریوں کو بہت اچھے طریقے سے نبھا رہی تھیں، مگر جانے کیوں نمرہ نہ ان کی بات سنتی تھی اور نہ ان کی جیسی عادات اپناتی تھی، بلکہ وہ امی کی تمام نصیحتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی تھی۔ نمرہ کی اس گندے رہنے کی عادت کے باعث اسے اسکول میں بھی کوئی پسند نہیں کرتا تھا۔ کاپیوں کتابوں کی حالتِ زار کے باعث اس کی ٹیچرز بھی اس سے نالاں رہتی تھیں۔ کلاس کی لڑکیاں اس کے ہر وقت سر کھجانے کی عادت کی وجہ سے اس سے دور بھاگتی تھیں، مگر نمرہ اس قدر ڈھیٹ، سست و کاہل ہو چکی تھی کہ اب اسے ان چیزوں سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ نہ شرمندگی ہوتی تھی، البتہ اس کی امی اس کی حرکتوں کی وجہ سے سب کے سامنے شرمندہ رہتی تھیں۔ اس کی نافرمانی پر ان کا دل دُکھتا تھا اور وہ ہر وقت اللہ سے دعا کرتی تھیں کہ وہ نمرہ کو نیک ہدایت دے کیوں کہ اللہ جب چاہے دل بدل سکتا ہے۔

صبح کا وقت تھا۔ امی جلدی جلدی کچن میں ناشتہ بنا رہی تھیں۔ ابو بھی دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ ایسے میں اچانک نمرہ کے چیخنے کی آواز آئی۔ امی نے جلدی سے چولہا بند کیا اور بھاگتی ہوئی نمرہ کے کمرے کی طرف آئیں۔ ابو بھی ٹائی درست کرتے ہوئے وہیں آگئے۔

”کیا ہوا نمرہ بیٹی؟“ ابو نے شفقت سے پوچھا۔ امی بھی اس کے قریب آگئیں تو اس نے کہا۔

”امی! میں کنگھا کر رہی تھی تو میرے سر میں شدید چبھن اور درد ہوا اور یہ دیکھیں تھوڑا تھوڑا خون بھی آرہا ہے، اس نے انگلیوں پر ننھے ننھے سے قطرے دکھائے۔“

”الٰہی خیر، لاؤ ذرا سر دکھاؤ!“ اس نے اس کا سر چیک کیا تو خود بھی گھبرا گئیں۔ ”اُف نمرہ تمہارے سر میں تو پھوڑے ہو رہے ہیں، تم نے جب کنگھا کیا تو وہ پھٹنے لگے، اسی لیے خون بھی آرہا ہے۔“

”اوہو! چلو اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں۔“ ابو بھی فکر مند ہو گئے۔

”ہاں چلیں، میں پرس لے کر آتی ہوں۔“ امی ابو نمرہ کو ہسپتال کی ایمرجنسی میں لے آئیں۔

ڈاکٹر نے مکمل چیک اپ کیا تو کہا: ”اس کے سر میں جوؤں اور خشکی کے باعث پھوڑے اور انفیکشن ہو گیا، جس کی وجہ سے درد ہے اور علاج کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نمرہ کے سر پر استرا پھیرا جائے، تاکہ باقاعدہ مرہم پٹی اور بینڈیج کے ذریعے مکمل علاج کیا جائے اور اگر فوری طور پر نہ کیا گیا تو یہ انفیکشن پورے جسم کی جلد پر بھی پھیل سکتا ہے۔ یہ کہہ کر ڈاکٹر نے دواؤں کا پرچا تھمایا اور دوسرے مریض کی طرف بڑھ گیا۔ اِدھر نمرہ رونے لگی کیوں کہ اس کے بال لمبے اور گھنے تھے اور گنجے ہونے کی صورت میں تمام لڑکیاں اس کا مذاق بھی اڑاتیں۔ امی کے لاکھ کہنے کے باوجود وہ دیگر چیزوں کی طرح اپنے بالوں کی صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتی تھی۔ نہ باقاعدہ انھیں صحیح سے کنگھا کرتی اور نہ دھوتی اور اسکارف میں چھپا لیتی، آج اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا، اس لیے امی کے کچھ کہنے سے پہلے وہ امی کے گلے لگ گئی اور رو رو کر معافی مانگنے لگی۔

”امی! میں نے آپ کی بات نہ مان کر ہمیشہ آپ کو سب کے سامنے شرمندہ کیا، اس لیے آج اللہ تعالیٰ نے مجھے سب کے سامنے شرمندہ کیا۔“ امی نے یہ سن کر اس کا ماتھا چوما اور کہا: ”بیٹا! جب انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اللہ بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔“

”نمرہ بیٹا! اب آپ کو سمجھ آگیا ہو گا کہ صفائی کو نصف ایمان اس لیے کہا جاتا ہے کہ صفائی نہ ہونے سے اللہ کی رحمت بھی ہم سے دور ہو جاتی ہے۔“ ابو نے بھی آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو اس نے ”جی“ کہہ کر سر جھکا لیا۔ امی نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے نمرہ کو سیدھی راہ دکھا دی۔

زیبرا

فوزیہ خلیل

عبدالہادی آج بہت اُداس تھا۔ اُس کا پسندیدہ کھلونا ٹوٹ گیا تھا۔ سب بچے اُسے کھیلنے کے لیے بلا رہے تھے، مگر وہ بار بار منع کر رہا تھا۔

”آؤنا بھئی! یہ اُداسی چھوڑو۔“ زین نے اُسے پکارا۔

عبدالہادی کا یہ پسندیدہ کھلونا ایک ہیلی کاپٹر تھا جو اُس کے سرمد تایا باہر سے لائے تھے۔ یہ ہوا میں پرواز کرتا تھا، مگر آج اُس کے پر ٹوٹ گئے تھے اور وہ ایک دھماکے سے نیچے آگرا تھا۔

”عبدالہادی بہت اُداس ہے۔ اب کیا کریں۔“ یہ ننھی مناہل تھی جو بہت فکر مند ہو رہی تھی۔

اسی وقت داداجان کمرے میں داخل ہوئے۔

”ارے یہ کیا! کیا تم لوگوں کا عبدالہادی سے کوئی جھگڑا ہو گیا ہے؟“ وہ حیران ہو کر بولے۔

”نہیں داداجان! عبدالہادی کا ہیلی کاپٹر ٹوٹ گیا ہے۔ یہ اس لیے غم زدہ بیٹھا ہے۔“ آیان نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

”جب کوئی نقصان ہو جائے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھیں اور بس۔“ داداجان مسکرائے۔

”اور یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ کی اسی میں حکمت تھی۔ اسی میں بہتری تھی۔“ آئرہ نے فوراً کہا۔

”ہوں۔۔۔ یہ تو ہے۔“ سب بچوں نے اقرار میں سر ہلائے۔

”چلو، میں عبدالہادی کو اپنا ایک اچھا سا کھلونا دے دیتا ہوں۔“ زین نے کہا، پھر وہ بھاگ کر کمرے سے باہر نکلا اور ایک بڑا سا ڈبا لے کر آیا، ڈبا کھولا گیا تو اس میں سے ایک زیبرا نکلا۔ بہت خوبصورت سا، کالی اور سفید دھاریوں والا۔ زین اپنے کھلونے بہت احتیاط سے رکھتا تھا۔

”زیبرا ایک خوبصورت جانور ہے جس کے جسم پر کالی دھاریاں ہوتی ہیں۔“ ننھی مناہل نے فوراً تبصرہ کیا۔

”جب زیبرے گروہ میں کھڑے ہوں تو وہ ان دھاریوں کی وجہ سے بہت بڑے جانور کی مانند دکھائی دیتے ہیں، اس طرح شکاری جانور شکار کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔“

”ایک فائدہ اور۔۔۔“ زین نے سوچتے ہوئے کہا۔ اگر زیبرے گھاس میں چھپے ہوں تو آسانی سے دوسرے جانور کو نظر نہیں آتے۔

”داداجان! کیا سارے زیبرے ایک جیسے ہوتے ہیں؟ یعنی ان کی اقسام نہیں ہوتیں۔“ عبدالہادی نے سوال کیا۔

”کیوں نہیں بیٹا، ان کی کئی اقسام ہوتی ہیں، کچھ زمینی زیبرے کہلاتے ہیں، کچھ پہاڑی زیبرا ہوتے ہیں۔ زمینی زیبرے کی دھاریاں ہلکے پیلے رنگ کی ہوتی ہیں جب کہ پہاڑی زیبرے کی دھاریاں سفید رنگ کی ہوتی ہیں۔ پہاڑی زیبرے کا قد و قامت کم ہوتا ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ چار فٹ کا ہوتا ہے جب کہ دوسرے زیبرا چار سے پانچ فٹ بلند ہوتے ہیں۔“ داداجان سانس لینے کو رُکے۔

”زیبرے کی ایک قسم زمینی اور پہاڑی زیبرے سے بالکل مختلف ہوتی ہے، اس کی صورت گدھے سے ملتی ہے۔ اس کا رنگ بھی قدرے مختلف ہوتا ہے۔“ عبدالہادی نے زیبرے کو ڈبے سے باہر نکال لیا تھا۔

”داداجان کچھ جانور دن میں دیکھتے ہیں اور رات کو نہیں دیکھ پاتے بلکہ عام طور پر جانور رات کو نہیں دیکھ پاتے۔ زیبرے کا شمار کیسے جانوروں میں ہوتا ہے۔“ عبدالہادی نے پوچھا ”کیا وہ رات کو دیکھتے ہیں۔“

”نہیں، نہیں پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ زیبرے سفید رنگ کے جانور ہوتے ہیں اور اُن پر کالی دھاریاں ہوتی ہیں، جبکہ اب یہ بات یقینی طور پر کہی جاتی ہے کہ زیبرے دراصل کالے رنگ کے جانور ہوتے ہیں اور اُن پر سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔ ہر زیبرے کے جسم پر مختلف طرح کی دھاریاں ہوتی ہیں۔“ آئرہ نے جلدی جلدی کہا۔

”اور اور۔۔۔۔“ عمر نے کہنا شروع کیا۔ ”زیبرا دنیا کا وہ واحد جانور ہے جس کے جسم پر سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔“

”داداجان۔۔۔“ عبدالہادی نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔ ”داداجان آپ کہتے ہیں کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے اور آپ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شے بے کار نہیں بنائی۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سفید دھاریوں کا کیا مقصد ہے بھلا؟“ سوال پوچھ کر عبدالہادی خاموش ہو گیا۔

داداجان نے ایک طائرانہ نگاہ تمام بچوں پر ڈالی۔ داداجان خواہش مند تھے کہ بچے اس بات کا جواب دیں اور پھر آیان کی آواز ابھری۔

”اپنی ان دھاریوں کی وجہ سے زیبرے ایک دوسرے کو بآسانی پہچان لیتے ہیں۔“ داداجان مسکرائے اور بولے ”اور کچھ۔“

”میں بتاتی ہوں۔“ آئرہ کی آواز آئی۔ ”یہ دھاریاں زیبرے کے بچاؤ کا کام بھی کرتی ہیں۔ ایسے جانور جو زیبرے کو اپنا شکار بنا سکتے ہیں، مثلاً شیر اور چیتا وغیرہ۔ وہ ان دھاریوں کو دیکھ کر گڑبڑا جاتے ہیں۔“

”گڑبڑا جاتے ہیں وہ کیوں؟“ ننھی مناہل نے پوچھا۔

داداجان نے بچوں کی جانب نگاہ اٹھائی کہ کون جواب دیتا ہے۔

”میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ زیبروں کا شمار اُن جانوروں میں ہوتا ہے جو دن کے ساتھ ساتھ رات میں بھی دیکھ سکتے ہیں بلکہ دیکھنے کے ساتھ ساتھ اُن کے سننے کی صلاحیت بھی بہت اچھی ہوتی ہے۔“ آئرہ نے کہا۔

”ہاں ناں! اُن کے کان بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں، یہ اپنے کان کسی بھی سمت گھما سکتے ہیں، بلکہ دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کے علاوہ زیبرے کی چکھنے اور سونگھنے کی صلاحیت بھی بہت طاقت ور ہوتی ہے۔“ عمر نے جلدی جلدی کہا۔

داداجان خوشی سے مسکرانے لگے۔

”اور ایک بات اور! یہ گھاس خور جانور ہے۔“ ننھی مناہل بولی۔

”اور یہ بھی کہ یہ گروہ میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ ان کے گروہ میں نر، مادہ اور بچے شامل ہوتے ہیں۔“

”شاباش بچو! جو بچے اپنا وقت ضایع نہیں کرتے، جن بچوں کو مطالعے کی عادت ہوتی ہے، جو موبائل اور ٹیبلٹ میں اپنا وقت برباد نہیں کرتے، ان بچوں کی معلومات ایسے ہی وسیع ہوتی ہیں۔“ داداجان نے مسکرا کر کہا۔

”ارے میں نے زین کو اُس کے تحفے کا شکریہ تو ادا ہی نہیں کیا۔ جس کی بدولت اتنی اچھی اچھی باتیں سننے کو ملیں۔ جزاک اللہ زین۔“ عبدالہادی بولا۔

”بارک اللہ عبدالہادی۔“

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے تعاون سے آئیں اس نیک کام میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:
- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹفیکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

شرائط:
- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

+92 333 4632340 +92 021 35290156

رات گئی بات گئی

ڈاکٹر الیاس روحی

وہ تارہ نگر گاؤں میں رہتا تھا، جہاں بجلی نہیں تھی۔ رات ہوتی تو لوگ اپنے گھروں میں دیے جلاتے تھے یا لالٹین۔ نام اُس کا جگنو تھا۔ جگنو کو دن بہت پسند تھے، کیوں کہ وہ دن میں اماں ابا کے پیار بھرے ماحول میں رہتا تھا۔ ابا صبح سویرے جب بیلوں کو لے کر کھیتوں کی طرف جا رہے ہوتے تو آواز لگاتے: جگنو! آجاؤ بیٹا!۔ وہ بھی بھاگم بھاگ کھیت کی طرف دوڑتا۔ ابا کے ساتھ دونوں بیل جن کے سر پر چاند کی طرح دو دو سینگ لگے تھے، گلے میں لگی ٹن ٹن گھنٹی کا شور کرتے جگنو کے پیچھے پیچھے چلتے۔ اماں کہتی تھیں۔ ابا کسان ہیں اور کسان ہی سے کھیت کی شان ہوتی ہے۔ وہ صبح سویرے اٹھتا ہے، بیل لے کر ہل چلاتا ہے، پہلے زمین بناتا ہے، اس میں بیج ڈالتا ہے، یعنی بوائی کرتا ہے اور پھر پانی دیتا ہے۔ جب گندم، چاول کی فصل تیار ہوتی ہے۔ تو کسان کی محنت سب کو نظر آتی ہے۔ گندم سے آٹا پستا ہے، یوں ہمارے ملک کے ہر گھر میں نان پراٹھا، روٹی پکتی ہے۔ کسان دنیا کا سب سے اہم کام کرتا ہے۔ اصل میں وہ بڑا آدمی ہوتا ہے۔ اپنی زمین سے کسان کو بہت محبت ہوتی ہے۔ جگنو بھی بڑا ہو کر کسان بننا چاہتا تھا، اس لیے کھیتوں میں ابا کا ہاتھ بٹاتا جب گھر لوٹتا تو اماں کہتی: ”جگنو! ذرا ڈوگو کو تو سنبھال۔“ وہ اپنے چھوٹے سے نٹ کھٹ بھائی کو سنبھالتا اور اسے اونچا اونچا اچھالتا۔ ڈوگو کی قلقاریوں سے ان کا چھوٹا سا گھر گونجتا۔ رات ہوتی تو وہ صحن میں اپنے پنگھوڑے میں آرام سے سوتا۔ اسے سوتا دیکھ کر جگنو سوچتا کاش وہ بھی ڈوگو کی طرح بے خبر سوتا۔ وہ کھاٹ پر لیٹتا اس پر اماں نے ٹاٹ بچھا رکھی تھی گھر کے چھوٹے موٹے کام جگنو بڑے شوق سے کرتا تھا۔ جگنو کی ایک بہن بھی تھی۔ جسے سب پیار سے چھٹکی کہتے تھے، چھٹکی کو تارے بہت پسند تھے۔ چھٹکی اپنی چارپائی پر لیٹے لیٹے تارے گنتی چھٹکی گنتے گنتے گنتی بھول جاتی اور پھر نئے سرے سے گنتی۔

”بھیّا! تارے رات کے بادشاہ ہوتے ہیں نا!۔“ وہ گردن ہلا دیتا پھر اماں کی طرف دیکھتی۔
”اماں! کیا یہ تارے دھاگے سے آسمان پر ٹانکے گئے ہیں۔ اماں مسکراتی۔“ یہ اللہ پاک کے حکم سے چمکتے ہیں اور انھیں اللہ ہی نے بنایا ہے۔ اچھا دن میں جب سورج چاچو نکلتا ہے تو تارے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کیوں جاتے ہیں؟“ اماں کہتی چھٹکی ”یہ تارے سورج کی تیز روشنی میں چھپ جاتے ہیں۔ ان کی محفل رات میں لگتی ہے۔ یہ نور کی کہکشاں زمین کے پیارے پیارے بچوں کو زمین کے تارے کہتے ہیں۔“ سچ اماں؟ یہ ہمیں ایسے ہی دیکھتے ہیں جیسے ہم انھیں۔“
ہاں! سارے بچوں کو ستارے جیسا بننا چاہیے۔ اندھیرے میں روشنی پھیلانے والے تم اور جگنو بھی ستارے بننا دونوں بچے ماں سے وعدہ کر کے خوشی خوشی سو گئے۔

اچانک جگنو کی آنکھ کھلی، وہ پانی کے مٹکوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اندھیرے میں مٹی کے مٹکے بیٹھے ہوئے دو انسان لگے۔ وہ آنکھیں بند کر کے سیدھا لیٹ گیا۔ مدرسے میں قاری صاحب نے اسے بتایا تھا، ہر مشکل میں کلمہ پڑھنا چاہیے، کلمہ سب سے بڑی دولت ہے۔
اس نے ابا کو بھی کلمہ پڑھتے سنا تھا۔ کھیتی باڑی کرتے ہوئے ابا اوّل کلمہ پڑھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پورے گاؤں میں بہترین فصل ابا کی ہوتی ہے۔ وہ کلمہ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ صبح سویرے اماں نماز سے فارغ ہونے کے بعد پودوں کو پانی دے رہی تھیں اور پودوں کی بڑھوتری دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ جگنو کی جیسے ہی آنکھ کھلی وہ اماں کے پاس پہنچا، وہ اماں کو رات اپنے ڈر کے بارے میں بتا رہا تھا۔ ”اماں مجھے دو آدمی دکھائی دے رہے تھے۔“ یہ کہہ کر اماں سے لپٹ گیا۔
اماں اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھانے لگیں۔ بھوت، پریت، جن، چڑیل ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، جس کے دل میں اللہ رہتا ہے وہ بہت بہادر ہوتا ہے، ڈرتا نہیں۔ ”ہاں اماں جب میں نے کلمہ پڑھا اور آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو وہ مٹکے تھے۔“ جگنو نے حیرت سے بتایا۔ ڈر کی وجہ سے ہمیں چیزیں کچھ سے کچھ دکھائی دیتی ہیں، ہمیں ڈرنا اللہ سے چاہیے، برے کام نہیں کرنا چاہییں، جھوٹ بولنا، چوری کرنا یہ برے کام ہیں، جس کی اللہ پاک سزا دیتے ہیں، باقی ہر کام اور ہر وقت اللہ کو یاد رکھو گے تو نہیں ڈرو گے۔
اماں نے دیکھا جگنو ابھی بھی کچھ سوچ رہا تھا وہ بولیں جگنو! رات گئی بات گئی!! جاؤ، اپنے مرغا مرغی کو دانہ ڈالو، دیکھو وہ بھوکے ہیں۔ جگنو بھاگم بھاگ ڈربے کے پاس پہنچا جگنو نے اپنے مرغے کا نام کانچا اور مرغی کا نام کانچی رکھا تھا۔ ڈربہ کھولتے ہی کانچا کانچی کے ننھے منے بچے چوں چوں چوں کرتے ایک دوسرے سے آگے پیچھے چل رہے تھے، جبکہ کانچا کانچی ککڑوں کوں، ککڑوں کوں کا شور کر کے انھیں روک رہے تھے۔
”بھیّا! کتنے پیارے پیارے بچے ہیں۔ ہم ان سے خوب کھیلیں گے، کتنا مزہ آئے گا۔“ چھٹکی خوشی سے اُچھل رہی تھی۔ سرخ سفید لال پیلے چوزے اپنی دھن میں چوں چوں کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ جگنو نے جلدی سے دانہ ڈالا اور ان کے لیے پانی رکھا۔ تھوڑی دیر میں وہ دانہ دنکا چگ رہے تھے۔ جگنو جب انھیں کٹ کٹ، کٹ کٹ کر کے بلاتا۔ وہ اُس کے پاس دوڑتے چلے آئے۔ شام ہوتے ہی سو جاتے صبح ہوتی تو جاگ جاتے۔ چوں چوں چوں کر کے پیارا سا گیت وہ سب کو سناتے۔ اماں کہتی تھیں یہ اللہ کی عظمت کا گیت گاتے ہیں۔ ”اماں! کانچا کانچی پانی پی کر پانی کا برتن کیوں گرا دیتے ہیں؟“ چھٹکی پوچھتی۔ اماں نے اسے بتایا وہ اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ جو اللہ آج انھیں کھلا رہا ہے، وہ کل بی انھیں کھلائے گا۔ جگنو دیکھو مرغا مرغی سے سیکھو۔ انھیں کل کا ڈر نہیں ہوتا۔ اللہ پر یقین ہے جگنو کی بات سمجھ آچکی تھی، اس لیے اس نے ہنستے ہوئے کہا: ”اماں! رات گئی بات گئی، میں اب نہیں ڈروں گا۔“
اماں اس کی بات سن کر مسکرا دیں۔

مشکل الفاظ

1. **رات گئی بات گئی:** وقت گزر جائے تو مسئلہ بھول جانا چاہیے۔
2. **لالٹین:** مٹی کے تیل سے جلنے والی چمنی۔
3. **دیے:** تیل میں کپڑے کی بتی بنا کر جلانا۔
4. **خوفزدہ:** ڈرنا
5. **بوائی:** کھیت (زمین) میں بیج بونا۔
6. **نٹ کھٹ:** شرارتی
7. **کھاٹ:** پلنگ۔ چارپائی

بچوں کے فن پارے

محمد نوفل ساجد ،پنجم ، صادق آباد

وانیہ حارث ،8 سال کراچی

ام ہانی اقراء جنت الاطفال کراچی

محمد ادریس سلیم ،سوم نیو اقرا روضۃ الاطفال کراچی

سعدیہ محمد علی ، ششم عائشہ للبنات کراچی

عبادہ بن عبد العزیز لیول ون جامعہ بیت السلام کراچی

نسیبہ علوی ،کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ اروی عمیر کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے،
انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچوں۔۔۔!!!
کیا آپ کو معلوم ہے۔۔۔

پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ،اس دن اللہ تعالی لوگوں کے گناہ معاف فرماتا ہے ،اس دن جو مغفرت طلب کرتا ہے ،اسے بخش دیا جاتا ہے ،جو توبہ کرتا ہے ،اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔۔۔

جمعرات کے دن کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔۔۔

اور آپ میں سے کچھ شاید یہ بات بھی جانتے ہوں کہ ہمارا پیارا وطن پاکستان بھی 27 رمضان المبارک۔ 14 اگست 1947 جمعرات کے دن ہی آزاد ہوا تھا۔۔۔یعنی فضیلت والے دن۔۔۔

ہمیں اپنے وطن کا دل سے احترام۔۔۔اور وطن سے محبت بھی رکھنی چاہیے۔۔۔یہ ملک ہمیں اللہ نے انعام کے طور پر دیا ہے کہ یہاں ہم آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکیں۔۔۔

تو ہمیں بھر پور کوشش کرنی چاہیے کہ اس آزادی کا فائدہ ہم اللہ کے حکموں کو پورا کر کے اٹھائیں۔۔۔اللہ کی نافرمانیوں سے بچیں۔۔۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ ہم سے ناراض ہو کہ ہماری نعمت ہم سے لے لے۔۔۔

تو پیارے بچوں۔۔۔کرتے ہیں نا وعدہ۔۔۔اپنے وطن کی حفاظت اور اللہ کی فرماں برداری کا۔۔۔!!!

اگست کے سوالات

سوال نمبر1:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ بن حصیب کو سب سے پہلے کون سی سورۃ یاد کروائی؟

سوال نمبر2:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی اولاد سے نسل چلی؟

سوال نمبر3:
ذین نے حمزہ کو کیا بد دعا دی؟

سوال نمبر4:
خنسا کا روم میٹ کون تھا؟

سوال نمبر5:
عائلہ نے کتنے پیسے مسجد کے لیے دیے؟

مئی کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: حضرت داود طائی کے۔
جواب نمبر 2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی کا نام زینب رضی اللہ عنہا ہے۔
جواب نمبر 3: حدیث میں منافق کی 3 نشانیاں بتائی گئی ہیں۔
جواب نمبر 4: علی نے کامران کو فٹ بال کے ساتھ نئی سوچ کا تحفہ دیا۔
جواب نمبر 5: عباد نے بادل تکیے کی روئی سے بنائے تھے۔

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام عمر کلاس اسکول/ مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ واٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں
03162339088

مئی 2022ء کے سوالات کے درست جوابات دینے پر کراچی سے

حفصہ بنت قیصر

کو شاباش۔
انہیں تین سو روپے مبارک ہوں

بلاعنوان کا عنوان

مئی 2022 کے شمارے میں انعم توصیف کی بلا عنوان کہانی پر کراچی سے آبلہ نور کا عنوان انعامی قرار پایا ہے انہوں نے عنوان دیا ہے
عید ہوئی سعید۔ آبلہ نور کو 300 روپے مبارک ہوں

میں پاکستان ہوں

جوہر عباد

رمضان کی ستائیسویں شب کو میں بنا ہوں
اسلام کا بلاشبہ مضبوط قلعہ ہوں
رب کا شکر کرو کہ تم آزاد قوم ہو
دو قومی نظریہ کے زیرِ سایہ پلا ہوں
حضرت جناح، اقبال، لیاقت و سرسیّد
میں ایسے رہنماؤں کی محنت کا صلہ ہوں
کیا کچھ نہیں دیا میرے رب نے مجھے لوگو!
قدرت کی نعمتوں سے لبالب میں بھرا ہوں
میری قدر کرو مجھے ہرگز نہ ستاؤ!
میں اَن گِنت قربانیوں کے بعد ملا ہوں
سارے جہاں میں مجھ سے ہے پہچان تمہاری
یہ جان لو سب کے لیے رحمت کی گھٹا ہوں
دشمن کو تو ناکوں چنے چبوائے ہیں مگر
اپنوں کی سازشوں سے کئی بار ہلا ہوں
رکھتا ہوں میں بھی ایٹمی قوت جہان میں
طاقت میں اگر دیکھیے تو سب سے بڑا ہوں
امریکہ، اسرائیل ہوں بھارت یا دوسرے
رکھے ہوئے اُن پر میں ہمیشہ سے نگاہ ہوں
ہو مسئلۂ کشمیر یا مسئلۂ فلسطین
میں اپنے مؤقف سے ہٹا تھا نہ ہٹا ہوں
رسوا کیا ہے مجھ کو غدارانِ وطن نے
ورنہ کبھی نہ غیروں کے آگے میں جھکا ہوں
میرے لڑتے ہوئے جو مجھ پہ مر مٹے
میں ایسے سرفروشوں کے باعث ہی کھڑا ہوں

نعرہ لگاؤ زندہ و پائندہ باد کا
صوبوں کو کیسے جوڑ کے میں رکھے ہوا ہوں
درپیش رہیں راہِ ترقی پہ مشکلیں
میں اس کے باوجود آگے بڑھتا رہا ہوں
اب ہوش میں آؤ میرے لوگوں مجھے سمجھو
بعد از خدا میں ہی تمہاری جائے پناہ ہوں
یارب! میرے بچے مجھے مضبوط بنائیں
میں آیندہ نسلوں کے لیے محوِ دعا ہوں
پہچان پہ ہے ناز تو پہچانیے مجھے
جوہر میں پاکستان ہوں، اللہ کی عطا ہوں

ہجرت

ارسلان اللہ خان

بے مثل و بے مثال ہے ہجرت کا واقعہ
اسلام کا جمال ہے ہجرت کا واقعہ

ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی آغازِ جنتری
اس درجہ باکمال ہے ہجرت کا واقعہ

پیغامِ حق کو اس سے ملی خوب تقویت
مومن ہوئے سب ایک، ہوئی دور عصبیت

ملتی نہیں کہیں بھی اخوّت کی یہ مثال
سرکارِ دو جہاں ﷺ کی تھی یہ خاص تربیت

تبلیغ کے بھی خوب مواقعے وہاں ملے
احکام دینِ حق کے بھی اکثر عطاء ہوئے

برپا ہوا مدینے میں اسلام کا نظام
ہجرت کی برکتوں سے یہ سب سلسلے ہوئے

اتنا سہل نہیں تھا یہ ہجرت کا مرحلہ
کفّار و مشرکین نے کیا کیا نہیں کیا

لیکن خُدا کی خاص مدد مومنوں کو تھی
جس نے یہ سارا کام ہی آسان کر دیا

ہجرت کے بعد جنگ کا جب حکم آگیا
باطل کو مومنوں نے سرے سے مٹا دیا

دراصل ارسلانؔ یہ ہجرت کا ہے ثمر
سارے عرب جزیرے پہ اسلام چھا گیا

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمد

تیرے قبضے میں سب کچھ ہے تو جو چاہے جہاں کر دے
بیاباں کو چمن کر دے، قفس کو آشیاں کر دے
وہ سونے کو خزف کر دے خزف کو زر فشاں کر دے
گدا کو حکم راں کر دے گراں کو بے گراں کر دے
عمل جو بھی کرو نیکی کا، نیت شرطِ اوّل ہے
کہیں ایسا نہ ہو اللہ اس کو رائیگاں کر دے
وہ خالق ہے، وہ مالک ہے، وہ رازق ہے، وہ قادر ہے
جسے چاہے مٹا دے جس کو چاہے جاوداں کر دے
کڑکتی دھوپ کفر و شرک کی اپنے سروں پر ہے
رِدائے رحمتِ کل کو ہمارا سائباں کر دے
وہ طوفاں جو ڈبونے پر تلا ہو ایک کشتی کو
خدا چاہے تو اس کشتی کا اس کو پاسباں کر دے
جو تھا مہماں تیرا عرشِ اعظم پر شبِ اسرا
خدایا معجزؔ عاصی کو اسؐ کا مہماں کر دے

شاعر: معجزؔ لکھنوی

بانی تبلیغی جماعت کی نانی کی نماز اور غذا

حضرت مولانا الیاس نوراللہ مرقدہ کی نانی ”امۃ الرحمٰن“ جو مولانا مظفر حسین کاندھلوی کی صاحبزادی تھیں اور جن کو خاندان میں عام طور پر ”امی بی“ کے نام سے یاد کرتے تھے، ایک رابعہ سیرت بی بی تھیں۔ ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ مولانا (الیاس) نے ایک مرتبہ فرمایا کہ امی بی کی نماز کا نمونہ میں نے مولانا گنگوہی میں دیکھا (مولانا گنگوہی کی نماز اپنے طبقہ میں ممتاز تھی) آخر زمانہ میں ان کا یہ حال تھا کہ خود کھانا کبھی طلب نہیں فرماتی تھیں، کسی نے لا کر رکھ دیا تو کھا لیا، گھر بڑا تھا اگر کام کی کثرت اور زیادتی کی مشغولیت کی وجہ سے خیال نہ آیا تو بھوکی بیٹھی رہتیں۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ ایسے ضعف کی حالت میں کیسے بغیر کھائے رہتی ہیں؟ فرمایا: الحمد للہ! میں تسبیحات سے غذا حاصل کر لیتی ہوں۔

امی بی مولانا الیاس پر بہت شفیق تھیں، فرمایا کرتی تھیں کہ اختر مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے، کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں: کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

خواتین اسلام کے ایمان افروز واقعات، محمد نعمان، ص:192

تین حقوق

میمون بن مہران کہتے ہیں: اسلام نے تین حقوق ایسے دیے ہیں جو تمام کائنات کے لیے یکساں ہیں، یعنی وہ حقوق مسلمان اور کافر دونوں کو حاصل ہیں
ہر حال میں امانت ادا کی جائے، خواہ امانت رکھوانے والا مسلمان ہو یا کافر۔
والدین کی عزت و تکریم کی جائے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔
وعدہ ہر حال میں پورا کیا جائے، خواہ وہ کافر سے ہو یا مسلمان سے۔

سنہرے اوراق، عبدالمالک مجاہد، ص:373

نعت

حقیقت میں یہ ہر اِک لفظ کی نُدرت میں مضمر ہے
غلامی کی سند سرکارؐ کی مِدحت میں مضمر ہے
اگر ثابت رہے نیتِ تو منزل خود بلاتی ہے
مدینے کا سفر انسان کی نیت میں مضمر ہے
سروں پر آپؐ کے دامن کا سایہ ہو سرِ محشر
مداوا دردِ دل کا درد کی شدّت میں مضمر ہے
درِ اقدس پہ ہر زائر کے آنسو بول اٹھتے ہیں
تلافی تیرے عصیاں کی اسی رِقّت میں مضمر ہے
سکونِ زندگی چاہو تو تڑپو عشقِ احمدؐ میں
مداوا دردِ دل کا درد کی شدت میں مضمر ہے
خدا نے نعمتیں بخشیں ہمیں محبوبؐ کی خاطر
یہ تخلیقِ جہاں بھی عنصرِ اُلفت میں مضمر ہے
غلامِ مصطفیٰؐ کو قربِ حق ملتا ہے اے انجمؔ
رضا مندی خدا کی آپؐ کی طاعت میں مضمر ہے

شاعر: انجمؔ شادانی

رویہ کے بارے میں چند باتیں

ہمیشہ پُرسکون رہیے، مگر یہ پُرسکون کیفیت سستی کی تعریف میں نہ آتی ہو۔

ہشیار رہیے اور چوکنے رہیے۔ غیر ضروری بھروسا اور بغیر واسطہ کے اعتماد نقصان کا باعث بنتا ہے۔

نصب العین اور مقاصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیے اور اپنے کاموں کو ان کے مطابق کرنے کی کوشش کریں۔

مثبت سوچ کے حامل رہیے، حالات ہمیشہ خراب نہیں رہتے۔ زندگی پہیہ کی مانند ہے اور چلتے پہیہ کا ایک حصہ کبھی اوپر ہوتا ہے اور کبھی نیچے۔ گلاس آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔ کسی چیز کی بظاہر کمی ہے تو کوئی متبادل چیزیں ان سے بہتر انداز میں موجود ہیں۔

پُرامید رہیے۔ مایوسی سے امید کی طرف آیئے۔ حالات بدل جائیں گے۔ آپ کو چالوں میں پھنسانے والا خود اپنے جال میں پھنس جائے گا۔

اشعار

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں
ام بخش ناسخ

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو یہ جوانی پھر کہاں
خواجہ میر دردؔ

یہ الگ بات ہے کہ اصنام بھی لے آئے ساتھ
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
ناصر کاظمیؔ

لفظوں کے ہیر پھیر کا دھندا بھی خوب ہے
جاہل ہی ہمارے شہر میں استاد ہوگئے
راحت اندوریؔ

خدا محفوظ رکھے ایسی مجبوری سے ہم سب کو
جو مجبوری پڑوسی کا جنازہ چھوڑ دیتی ہے
معراج فیض آبادی

پاکستان کے ہر شہری کو حاصل ایک حق

پاکستان کا دستور ایسا ہے کہ ساری دُنیا کے کسی بھی دستور میں وہ باتیں نہیں ہیں جو پاکستان کے دستور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے علمائے کرام کی جِدوجُہد کے نتیجے میں ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ آج بھی ہمارے دستور کے تحت ہر مسلمان ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پاکستان کے کسی بھی غیر اسلامی قانون کو عدالت میں چیلنج کرسکتا ہے کہ چوں کہ یہ قانون قرآنِ کریم اور سنت کے خلاف ہے، لہٰذا اس کو بدلا جائے۔

پاکستان کی قدر کریں، مجموعہ افادات مشاہیر امت، ص:304

ہماری تاریخ کی ایک حیرت انگیز حقیقت

آپ جانتے ہیں کہ پاکستان 14 اور 15 اگست 1947 کی درمیانی شب رات 12 بجے معرضِ وجود میں آیا تھا اور 12 بجتے ہی انڈیا ریڈیو لاہور، پشاور نے یہ ”ریڈیو پاکستان ہے“ کا اعلان کرکے پاکستان کے طول و عرض میں جشنِ آزادی کا ایسا سماں پیدا کردیا تھا، جس کا ایک ایک لمحہ جوش و جذبے اور بے انتہا مسرتوں سے لبریز تھا، چناں چہ ہمارا پہلا یومِ پاکستان 15 اگست 1947 کو منایا گیا جو جمعۃ الوداع تھا اور جس رات پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب یعنی لیلۃ القدر تھی۔ یہ رمزیں صرف اُن لوگوں کے لیے معنی خیز ہیں جو انھیں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ورنہ تمام لوگوں کے لیے پاکستان کے موجودہ تناظر میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے شعلوں میں گرفتار ہو کر ایسی بات کرنا محض اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے، جو لوگ قدرت کے ان اشاروں کو اہمیت دیتے ہیں انھیں بہرحال یقین ہے کہ پاکستان قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ موجودہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی بحران، لاقانونیت اور دہشت گردی تو یہ ہمارے اپنے اعمال اور کوتاہ نظر حکم رانوں کی پالیسیوں کا نتیجہ ہیں۔

پاکستان میری محبت، ڈاکٹر صفدر محمود، ص:11

زلزلے سے متاثر افغان بھائیوں کے لیے
بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کا حصہ خدمت
خیموں، کمبل اجناس اور برتنوں پر مشتمل کروڑوں مالیت کا سامان بھیجا گیا

رپورٹ: خالد معین

اخبار السلام کے ضمن میں یہ سطور جب تحریر کی جارہی ہیں، بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کے زیر اہتمام وقف اجتماعی قربانی کی تیاری ہو رہی ہے، اہل خیر حسب معمول جوق در جوق اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ بیت السلام گزشتہ کئی سالوں سے ملک کے طول و عرض میں واقع پس ماندہ بستیوں اور شہر کے مضافاتی علاقوں میں وقف اجتماعی قربانی کا اہتمام انتہائی منظّم طریقے سے کررہاہے۔ لاکھوں افراد تک یہ گوشت بروقت پہنچایا جاتا ہے الحمد للہ۔ سال 1443ھ/2022 کی اجتماعی قربانی کی رپورٹ ان شاء اللہ قارئین اگلے ماہ ملاحظہ فرما سکیں گے۔

22 جون 2022ء کو افغانستان میں 6.1 کی شدت کا زلزلہ آیا، پکتیا، خوست اور پکتیکا کے علاقے زیادہ متاثر ہوئے۔ جس سے ۲ہزار کے قریب اموات ہوئیں جب کہ کافی بڑی تعداد میں لوگ زخمی بھی ہوئے۔ جانی نقصان کے علاوہ بہت زیادہ مالی نقصان ہوا، افغان بھائیوں کے گھر گر گئے۔ بیت السلام نے فوری طور پر افغان بھائیوں کی خدمت کے جذبے سے اپنا حصہ ملانے کا فیصلہ کیا اور کروڑوں مالیت کا سامان بھیجا جس میں خیمے، کمبل، بھاری مقدار میں اجناس اور برتن شامل ہیں۔

BAITUSSALAM

زکوۃ ایک فریضہ

صرف قابلِ اعتماد ہاتھوں سے

تعلیم

صحت

خدمت

ہو فرض بھی ادا